

2008

محمود، فاروق، فرزانه اور انسپکٹر جمشید سیریز

تین کا طوفان



Atlantis
Publications

انتہیات احمد

ایک حدیث

”حضرت سہارن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی بھی چیز پر لڑایا کہ جب کوئی چیز تمہارے سامنے پیش آئے گا تو کس طرح لے کر آئے اور عرض کیا کہ کتاب اللہ کے سوا حق لے کر آؤ گا تو لڑایا کرو۔ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑایا کسی کتاب اللہ اور سنت رسول میں جو نے عرض کیا اس وقت اپنی رائے سے اچھا اور اچھا نہ کروں گا اور اس تک پہنچنے کی کوشش میں آؤ گا تو نہیں کروں گا اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑا حضرت سے حضرت سہارن رضی اللہ عنہ کے بیٹے پر آیا۔ اسے ہار گیا اور لڑایا کہ کتاب اللہ کا ٹکڑا ہے اس نے اللہ کے سوال علی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کو اس بات کی تائید دلی میں پر لڑا کا رسول رضی اللہ عنہ ہے۔“

☆ ☆ ☆

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت مہارت کا وقت نہیں۔

☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام نہیں کرنا۔

☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں سکا۔

☆ آپ کے گھنٹے گھر والوں نے کوئی کام نہیں لگا سکا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیجئے، پہلے مہارت اور

دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں۔ پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

دوبائیں

السلام علیکم

السلام علیکم! یہ تین کا طوفان ہے... اس طوفان سے بچنے کی تیاری کر لیں... یہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے تیار ہے... دیکھنا یہ ہے کہ یہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے یا آپ اسے سمیٹ لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔
مقابلے کی کیفیت اگر ناول کے آخر تک جاری رہتی ہے تو نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے، میں خود کو ہلکا محسوس کروں گا... کیونکہ ایک نکتے والے کی اصل کامیابی یہی ہے کہ وہ بڑھتے والوں کو جکڑ لے اور انہیں ادھر ادھر نہ جانے دے۔

انکارہ مشن کے بعد تین کا طوفان اور اس کے بعد غلا کا ہنگامہ، یہ تین خاص فہر قاروقی احمد صاحب کی خاص دلچسپی کی بنا پر آپ تک پہنچنے کے قابل ہو رہے ہیں۔
ورہ میں تو سمجھا تھا کہ اب خاص نمبروں کا دور گیا... ایک تو مہنگائی نے کمر توڑ کر رکھ دیا ہے... دوسری طرف ان گنت بلاؤں نے کتابوں کا مستقبل تاریک کر کے رکھ دیا ہے... بھلا ان حالات میں کوئی خاص فہر شائع کرنے کی ہمت کرے تو کیسے... لیکن قاروقی صاحب کی بات سن کر اس وقت مجھے بہت حیرت ہوئی تھی... جب انہوں نے کہا کہ ایک بار پھر خاص نمبر کا سلسلہ شروع کرنا چاہیے... میں تو خود یہ چاہتا تھا، لہذا فوراً حامی بھر لی... اور اس طرح یہ دوسرا خاص نمبر... یعنی نئے سرے سے خاص نمبروں کا سلسلہ شروع ہونے کے اعتبار سے دوسرا خاص نمبر آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور آئندہ ماہ آپ ان شاء اللہ خلا میں ہنگامہ پڑھیں گے...

بہتر ہوگا کہ آپ انکارہ مشن کے بارے میں اپنی رائے بھی لکھ دیں تاکہ ناولوں کے آخر میں شائع کر دیے جائیں... اور ایک پرانا سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے جب آپ دھڑا دھڑا خط لکھا کرتے تھے اور ناولوں کے آخر میں چھپا کرتے

تھے... اب چونکہ خاص نمبر کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا تو ہر چیز پھر سے کیوں نہ شروع کر دی جائے...

بہت لوگ فون پر اور خطوط پر شکایت کرتے نظر آ رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ انٹرنس والوں نے کتابوں کی قیمت بہت بڑھا دی ہے... پہلے قیمت 29 روپے تھی... 29 سے تینا ہوئی... پھر چالیس اور اب 60 روپے... اس نسبت سے اب سننے میں آ رہا ہے کہ خاص نمبر کی قیمت 180 روپے ہوگی۔

اس میں شک نہیں... یہ قیمتیں بہت زیادہ ہیں... آسمان کو چھوتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں... لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں... غور کریں کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جو آج کل آسمان کو نہیں چھو رہی ہیں... اب تو کبھی چیزوں کے بھاؤ آسمان سے ہاتھیں کر رہے ہیں۔ بس انسان زمین پر رہ گئے ہیں... اس لیے بھاؤ انسانی پہنچ سے باہر ہو چلے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب میں نے سب سے پہلی بار کتابیں شائع کی تھیں... غالباً یہ بچے خطرناک ہیں، کان کا راز وہ فیرہ... اس سے پہلے فیرہ سنز اور شیخ غلام اینڈ سنز میرے ناول شائع کر چکے تھے... ایک دواور غیر معروف اداروں نے بھی دس بارہ ناول شائع کیے تھے... ان سب کی قیمت اس وقت ساڑھے تین یا چار روپے تک رکھی جاتی تھی۔ میں نے اپنے ادارے میں بھی یہی قیمت رکھی... ناولوں کا سلسلہ آگے بڑھا اور کاغذ کی قیمت کچھ زیادہ ہو گئی تو ناولوں کی قیمت غالباً پھر روپے تک پہنچی گی... انہی دنوں سب سے پہلا خاص نمبر جرنل کا منصوبہ شائع کیا... یہ ساڑھے تین سو صفحات کا ناول تھا اور قیمت غالباً 12 یا 13 روپے رکھی گئی تھی... دھڑا دھڑا کا تھا... فروخت کے ریکارڈ قائم کیے تھے... اس خاص نمبر کی شاندار کامیابی کی وجہ سے ہی خاص نمبروں کی اہمیت شروع ہوئی تھی... گویا سلسلہ چل نکلا... اور پھر ملاشاکا زئزل، وادی دہشت، کالا شیطان، شیطان کے پہاڑی، انوکھی موت، جھیل کی موت، دنیا کے قیدی، دلدل کا سمندر، جزیرے کا سمندر، بیگال مشن، بڑا ہائے مہم، ہی مون کی واپسی، باطل قیامت، سنہری چٹان جیسے خاص نمبر شائع ہوئے... سنہری چٹان تو 1400 صفحات کا تھا، لیکن قیمت کے اعتبار سے پچاس ساڑھے روپے سے زیادہ کے

تین رے تین

اسپیڈر جمشید کے فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے کسی نہ گھبراہٹ ہوئی آواز میں کہا:

”آپ اسپیڈر جمشید ہی ہیں نا۔“

”السلام علیکم۔“ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے انہوں نے پہلے سلام کہنا پسند کیا۔

”جی... وعلیکم السلام۔“

”اب فرمائیے... میں اسپیڈر جمشید بات کر رہا ہوں۔“

”میں اپنے شہر چاٹ گام سے تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں پہنچا ہوں... ہوٹل امبرا کے کمرہ نمبر 302 میں ٹھہرا ہوا ہوں... کچھ لوگ میرے شہر میں مجھے قتل کرنے کی کوشش کرتے

نہیں تھے۔

نہیں کاغذ کے اعتبار سے آہستہ آہستہ ہو جاتی تھیں... اس پر بھی قوربین سے معذرت کی جاتی تھی... آج کے دور کے حساب سے چیزوں کی قیمتیں بھی نہیں بڑھی تھیں... اب جس حساب سے چیزوں کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں، اسی حساب سے کتاب کی قیمت بھی پر لگا کر آگے جا رہی ہے...

ان حالات میں میں ٹاروق احمد صاحب سے کیا کہہ سکتا ہوں... اور آپ کو کچے مطمئن کر سکتا ہوں... یہ بات نہ سمجھنے کی ہے، نہ سمجھانے کی... ہذا چیسے تیسے ناول پڑھیے اور بس...

اشتیاق احمد

رہے ہیں... میں نے ایک دوست سے مشورہ کیا... انہوں نے مجھے آپ کا نمبر اور پتا دیا... وہ آپ سے اچھی طرح واقف ہیں اور آپ سے ان کی علیک سلیک بھی ہے... اس سے پہلے میں اپنے شہر میں پولیس کے علم میں یہ معاملہ لا چکا ہوں، لیکن پولیس کوئی توجہ دینے کے لیے تیار نہیں... اس لیے کہ میں کوئی مشہور آدمی تو ہوں نہیں... نہ سیاست دان ہوں... لہذا وہ اس وقت تک حرکت میں آنے کے لیے تیار نہیں... جب تک کہ کچھ ہونہ جائے... بھلا اس صورت میں مجھے ان کے حرکت میں آنے کا کیا فائدہ ہوگا بھلا۔ اس لیے میں اپنے دوست کے مشورے پر یہاں آ گیا ہوں... لیکن میں نے براہ راست آپ کے پاس آنا مناسب نہیں سمجھا... اس لیے پہلے ہوٹل میں کمرہ لیا... پھر آپ کو فون کیا... یہ ہے میری کہانی۔“

”اس دوست کا نام کیا ہے... جنہوں نے میرا پتا آپ کو دیا۔“

”جی آختم غوری۔“

”ادہ اچھا... وہ جو جڑی بوٹیوں پر تحقیقات کرتے رہتے ہیں... اور ان کا دعویٰ ہے کہ ایک دن وہ مسلمانوں کے

لیے بہت ہی مفید ادویات دریافت کر کے رہیں گے... ایسی ادویات کہ اگر مسلمان ان ادویات کو استعمال کر لیں تو کسی میدان میں ناکام نہیں ہوں گے... آپ کا نام؟“

”میں فواد گیلانی ہوں... چاٹ گام کے راجہ بازار 56 میں رہتا ہوں۔“

”اس وقت تو آپ کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہے۔“

”ہاں کیوں نہیں... میں نے ہوٹل کے باہر ان کی جھلک دیکھ لی ہے... وہ تین ہیں... میں انہیں پہچانتا ہوں... میرے شہر میں بھی یہ میرے آس پاس منڈلاتے رہے ہیں...“

”انہوں نے وہاں حملہ کیا تھا کوئی۔“

”تین بار... لیکن تینوں بار اللہ کی مہربانی سے ناکام رہے۔۔۔“

”اس صورت میں تو آپ انہیں گرفتار کر سکتے تھے۔“

”میں نے بتایا نا... پولیس کوئی قدم اٹھانے کے لیے تیار نہیں... میں کوئی دولت مند آدمی نہیں ہوں... نہ کوئی سیاست دان ہوں۔“

”اس کے باوجود... اس صورت میں کہ آپ پر وہ

تین مرتبہ فائرنگ کر چکے ہیں... آپ انہیں پہچانتے بھی ہیں...
آپ کی رپورٹ پر پولیس کو حرکت میں آنا چاہیے تھا... حیرت
ہے... وہ کیوں حرکت میں نہیں آئی۔“

”اس سوال کا جواب تو پولیس ہی دے سکتی ہے۔“

”اچھی بات ہے... میں آپ سے ملاقات کرنے کے
لیے آرہا ہوں... اگرچہ یہ معاملہ مجھ سے متعلق نہیں... عام
پولیس کیس ہے... اور اگر میں چاہوں تو آپ کی طرف اسی
وقت پولیس کو بھیجوا سکتا ہوں... آپ کی نشان دہی پر ان تینوں کو
گرفتار بھی کیا جاسکتا ہے۔“

”لیکن میں چاہتا ہوں... آپ ہی اس معاملے کو
دیکھیں۔“

”خیر... میں دیکھ لیتا ہوں... سوال تو یہ ہے کہ آپ
مجھ ہی سے یہ کام کیوں لینا چاہتے ہیں۔“

”آپ کی مدد کے بغیر یہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔“

”اچھی بات ہے... میں آرہا ہوں... آپ مجھے ان
تینوں کو دکھا سکیں گے۔“

”جی ہاں! وہ اس وقت بھی ہوٹل کے باہر موجود

ہیں۔“

”اچھی بات ہے... میں پندرہ منٹ تک آپ کے

پاس آتا ہوں۔“

فون بند کر کے وہ گھر سے نکل آئے... اس وقت محمود،

قاروق اور فرزاندہ گھر میں نہیں تھے... یوں بھی... ان کے خیال
میں وہاں ان تینوں کا کوئی کام نہیں تھا... وہ تینوں فرزاندہ کی
ایک سیکی کے گھر گئے ہوئے تھے... سیکی نے ان تینوں کی
دعوت دے رکھی تھی... لہذا ان کی جلد واپسی کا امکان نہیں تھا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ کمرہ نمبر 302 کے دروازے
پر دستک دے رہے تھے... دروازہ اندر سے بند تھا
... انہوں نے تین بار دستک دی... لیکن اندر سے نہ کوئی

جواب ملا اور نہ کوئی آہٹ ہی سنائی دی...

انہوں نے تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکنے کی
کوشش کی... لیکن سوراخ بند تھا... اب انہوں نے ہوٹل کے
کاؤنٹر کارخ کیا... وہاں موجود کلرک سے انہوں نے کہا:

”مجھے کمرہ نمبر 302 کے مسافر سے ملنا ہے... میں نے

دستک دی ہے، لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں مل رہا... اندر

”آپ نے دروازہ کیوں نہیں کھولا۔“ انسپکٹر جمشید نے

ضرور کوئی گڑبڑ ہے... کیونکہ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ ان کی برائے سامنے بنایا۔

”میں خوف زدہ تھا... کہ کیا پتا... دروازے پر

”کیا مطلب... کیا آپ مسز فواد گیلانی کی بات کر دسک دینے والے وہی تینوں ہوں۔“

”ہوں... اچھا خیر... اب دکھائیے... وہ تینوں

کہاں موجود ہیں۔“

”جی ہاں! انہوں نے یہی نام بتایا تھا۔“

”آئیے دکھاتا ہوں۔“ وہ انہیں برآمدے کی کھڑکی

تک لے آیا... کھڑکی سے کار پارکنگ کی جگہ صاف نظر آرہی

”میں ایک بیرے کو چابی دے کر آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں... وہ دروازہ کھول دے گا... پھر آپ صورت حال دیکھ کر مجھے فون کر دیجیے گا... ضرورت ہوگی تو میں اور بیرے بھیج تھی۔

دوں گا۔“

”وہ دیکھیے... نیلے کپڑوں میں تین نوجوان کھڑے

آپس میں باتیں کر رہے ہیں...“

”شکریہ!“ وہ بولے۔

”ہاں! ٹھیک ہے... میں نے انہیں دیکھ لیا... کیا

آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں... ان تینوں نے آپ پر حملہ کرنے کی

کوشش کی تھی۔“ انہوں نے کہا۔

اب وہ بیرے کے ساتھ اوپر آئے... اس نے

دروازہ کھول ڈالا... انہوں نے دیکھا کمرے میں کوئی نہیں

تھا...

”میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ انہوں نے حملہ کرنے کی

کوشش کی تھی... بلکہ یہ کہا تھا کہ انہوں نے تین بار مجھ پر حملہ کیا

ہے... یہ اور بات ہے کہ میں تینوں مرتبہ بچ گیا ہوں...“

”وہ یہاں نہیں ہیں... اس کا مطلب ہے...“

بیرے کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت غسل خانے کا

دروازہ کھلا اور ایک درمیانے قد کا ایک آدمی باہر نکل آیا تھا۔

”بچے... یہ رہے مسز فواد گیلانی۔“

”اوہ اچھا... ایک منٹ ٹھہریں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے فوراً اکرام کے نمبر ملائے... اور بولے:

”ہاں اکرام... کہاں ہو؟“

”ہوٹل امبرا کے باہر۔“

”کار پارک میں تین تین نوجوان نیلے لباس میں کھڑے

ہیں... انہیں روک لو... میں نیچے آ رہا ہوں۔“

”اگر وہ روکے جانے پر اعتراض کریں سر؟“

”کہہ دینا... ایک صاحب نے آپ کے خلاف شکایت

کی ہے... اور یہ کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔“

”اچھی بات ہے سر۔“

اور پھر انہوں نے اکرام اور اس کے ماتحتوں کو

پارک میں داخل ہوتے دیکھا۔ جلد ہی وہ ان تینوں کے قریب

کھڑے نظر آئے... اب انہوں نے فواد گیلانی سے کہا:

”میں ان تینوں سے ملاقات کے لیے نیچے جا رہا ہوں

... آپ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیں۔“

”ٹھیک ہے، لیکن آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔“ اس کے

لجے میں الجھن تھی۔

”بس دیکھتے جائیں... میں ابھی واپس آؤں گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

اور انہوں نے فوراً نیچے کا رخ کیا... وہ ان کے

نزدیک پہنچے تو تینوں تیز لجے میں اکرام سے جھگڑ رہے تھے:

”لجیے... آگے میرے آفسر... اب جو کہنا ہے، ان

سے کہ لیں۔“

”کیا ہوا اکرام!“ انپکڑ جھید مسکرائے۔

”یہ ذرا گرمی دکھا رہے تھے۔“

”آپ تینوں مسز فواد گیلانی کو جانتے ہیں۔“

”فواد گیلانی... کون فواد گیلانی۔“ ان تینوں کے منہ

سے ایک ساتھ نکلا... بالکل ایک آواز میں نکلا۔ یوں محسوس ہوا

جیسے تین نہ بولے ہوں... ایک بولا ہو۔

”اس ہوٹل کے کمرہ نمبر 302 میں ٹھہرے ہوئے

ہیں... ان کا الزام ہے کہ آپ نے ان پر تین مرتبہ قاتلانہ حملہ

کیا ہے۔“

”کیا!!!“ وہ پھر ایک ساتھ بولے۔

”آپ میں سے ایک وقت میں ایک بات کرے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

”کیا مطلب... کیا کیسے ہو سکتا ہے۔“

”یہ کہ ہم میں سے ایک وقت میں ایک بات کرے۔“

یہ جملہ بھی ان تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

”کیا مطلب؟“ اس مرتبہ انسپٹر جمشید مارے حیرت

کے بولے۔

”ہم تین نہیں... ایک ہیں۔“

”آپ تین عدد ہیں... اور فضول باتوں میں میرا

وقت ضائع کر رہے ہیں... آپ کو اس ہوٹل کے کمرہ نمبر 302

میں چلنا ہے... وہاں مسٹر فواد گیلانی موجود ہیں... آپ کی

موجودگی میں ان کا بیان لیا جائے گا...“

”ہم نہیں جانتے... فواد گیلانی کون ہے۔“ وہ

بولے۔

”آپ ہمارے ساتھ چلیں... اگر ام انہیں ادھر لے

آؤ۔“

”یہ اچھی ذبردستی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

انسپٹر جمشید نے تکی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھا

اور اوپر جانے کے لیے گھوم گئے... آخر وہ کمرے نمبر 302

کے دروازے پر پہنچ گئے، انہوں نے مڑ کر دیکھا... اور

دروازے پر دستک دے ڈالی...

”کون؟“ اندر سے پوچھا گیا۔

”انسپٹر جمشید۔“

”کیا آپ انہیں لے آئے؟“

”آ رہے ہیں... ایک دو منٹ تک آجائیں گے

... آپ دروازہ کھول دیں۔“

”دیکھ لیں... کہیں وہ مجھ پر حملہ نہ کر دیں۔“

”ان شاء اللہ! ایسا نہیں ہوگا۔“

”اچھا! میں دروازہ کھول رہا ہوں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا... عین اس

وقت وہ لوگ لفٹ سے نکلتے نظر آئے:

”آگئے وہ لوگ۔“

”ہوشیار... خبردار... کہیں یہ مجھ پر فائرنگ نہ کر

دیں۔“

”گھبرانے کی ضرورت نہیں...“ انہوں نے بڑا سا

منہ بتایا۔

پھر وہ کمرے میں آگئے... ان تینوں کو بھی لے آیا گیا... اکرام کے ماتحت کمرے کے دروازے پر چوکس کھڑے ہو گئے:

”ہاں اب بتائیے... آپ کیا کہتے ہیں۔“

”ان تینوں نے مجھ پر تین بار حملہ کیا... یعنی تین بار فائرنگ کی... لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا... اس کے بعد بھی انہوں نے میرا تعاقب جاری رکھا... آخر میں یہاں آ گیا... تاکہ اس معاملے میں آپ سے مدد لے سکوں... یہاں آ کر میں نے اس ہوٹل کا یہ کمرہ لے لیا۔ میں نے جب کھڑکی کے ذریعے باہر کا نظارہ کیا تو یہ نیچے کھڑے نظر آئے... بس میری سٹی گم ہو گئی... اور میں نے آپ کو فون کر ڈالا۔“

”اور آپ کو میرے پاس آنے کا مشورہ میرے کسی واقف آثم غوری نے دیا؟“ انسپکٹر جمشید بولے۔

”جی ہاں! یہی بات ہے۔“

”اوکے... ہاں! اس بارے میں تم کیا کہتے ہو۔“

”ہم تو انہیں جاننے تک نہیں۔“ وہ ایک ساتھ

بولے۔

”پھر نیچے کیوں کھڑے تھے... کہاں رہتے ہو۔“

”بالم پور... سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں... اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر دو سو میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“ وہ تینوں بولے۔

”تم میں سے ایک وقت میں ایک بات نہیں کر سکتا۔“ وہ جھلا اٹھے۔

”نہیں!“ وہ بولے۔

”آپ کے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”نہیں۔“ فواد گیلانی نے انکار میں سر ہلایا۔

”ان حالات میں ہم انہیں گرفتار نہیں کر سکتے... البتہ آپ کی حفاظت کا انتظام کر دیتے ہیں... کیا آپ کو یہ بات منظور ہے۔“

”لیکن یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا... آثم غوری نے تو کہا

تھا...“

”انہوں نے اپنے حساب سے ٹھیک کہا تھا... لیکن یہاں مسئلہ ہے قافوں کا... آپ کو چاہیے تھا، اپنے شیر میں ان کے خلاف رپورٹ درج کرا دیتے۔“

”میں نے رپورٹ درج کر لی تھی... لیکن رپورٹ کے بعد انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا... پریشن ہو رہی ادھر آگیا۔“

”خیر آپ پریشن نہ ہوں... ہم آپ کی حفاظت کے سلسلے میں لاہور والی نہیں کریں گے۔“

”بہت بہت شکریہ۔“

”اکرم... تم اپنے دو آدمی ان کے دروازے پر مقرر کر دو... یہ نیچے جائیں... تو وہ دونوں بھی ان کے ساتھ نیچے جائیں... ہوٹل سے باہر جائیں تو وہ ان کے ساتھ باہر جائیں۔“

”لل... لیکن سر۔“ اکرام نے کچھ کہنا چاہا۔

”میں جانتا ہوں... تم کیا کہنا چاہتے ہو... لیکن میں جو کہ رہا ہوں... تم وہ کرو۔“

”اوکے سر۔“ اس نے فوراً کہا۔

”آپ تینوں جاسکتے ہیں... اور اگر انہیں کچھ ہوا تو آپ سے سخت تفتیش کی جائے گی۔“

”ہم نے کچھ نہیں کیا۔“

”اچھا اکرام انہیں جانے دو۔“

انہیں جانے کا اشارہ کر دیا گیا... وہ بڑے بڑے منہ بناتے چلے گئے... اب انسپکٹر جمشید نے فواد گیلانی سے کہا

”آپ کرتے کیا ہیں۔“

”میرا ایک چھوٹا سا کاروبار ہے... ریڈی میڈ لمبوسات کا۔“

”ان تینوں کو بھلا آپ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔“

”میں تو انہیں جانتا تک نہیں... کیا کہہ سکتا ہوں کہ انہیں کیا دشمنی ہے۔“

”ہوں... یہ معاملہ کچھ عجیب سا ہے... پھر ان تینوں کا ایک ساتھ بولنا بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا... ارے ہر... اکرام تم ایک سادہ لباس والے کو ان کی نگرانی پر لگا دو تاکہ ہم جان سکیں۔ وہ آپس میں بات چیت کیسے کرتے ہیں... یا اس وقت بھی تینوں ایک ساتھ بولتے ہیں... یا الگ الگ۔“

”او کے سر۔“ اس نے فوراً کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے واپس لوٹ آئے... اس وقت تک محمود، فردق اور فرزہ کمرہ چکے تھے... ان کی سواہ نظر میں ان پر جم گئیں۔

”عجیب سا کیس ہے۔ ابھی تک کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ سکا... نہ اس کیس کا تعلق فی الحال ہمارے محکمہ سے نظر آتا ہے... تاہم میں چلا گیا تھا... کیونکہ درمیان میں میرے ایک واقف کا حوالہ دیا گیا تھا۔“

”مہربانی فرما کر تفصیل سنا دیں۔“

”ہاں ضرور... کیوں نہیں۔“

انہوں نے تفصیل سنا دی... پھر انہیں ایک خیال آیا۔
 انہوں نے آثم غوری کے نمبر مانگے... سلسلہ طے پر بہوں سے
 کہا:

”آثم غوری صاحب انسپلر جمشید بات کر رہا
 ہوں...“

”بہت دنوں بعد آپ کی آواز سنی۔“

”شکریہ آپ کی فواہ گہری کو جانتے میں“

”نہیں تو... یہ کون ہیں...“ آثم غوری نے چونک کر

کہا۔

”کیا!!!“

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆☆☆☆☆

غلط بیانی کی تھی... خیر میں دیکھ لوں گا۔“

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا... اور پھر ہوٹل میں فون کر کے کمرہ نمبر 302 سے بات کرنے کے لیے کہا۔ دوسری طرف سے بتایا گیا... کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا... شاید وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ ب انہوں نے سادہ لباس والے کے نمبر ڈائل کیے، سلسلہ فوراً مل گیا:

”کمرہ نمبر 302 کے فواد گیلانی کی کیا رپورٹ ہے۔“

”وہ بدستور اپنے کمرے میں ہے... کہیں نہیں گیا۔“

”لیکن وہ فون نہیں سن رہا... اس کے دروازے پر

دستک دیں... اور دیکھیں کیا ماجرا ہے۔“

”اوکے سر... آپ فون آن رکھیں۔“

اور پھر انہوں نے دستک کی آواز سنی... مسلسل دستک

کے بعد سادہ لباس والے نے کہا

”آپ سن رہے ہیں... دروازہ نہیں کھل رہا...“

”ہوٹل کی انتظامیہ کو بلاؤ... اور دروازہ کھواؤ۔“

”اوکے سر۔“

انہوں نے فون بند کر دیا اور دوسرے سادہ لباس

واردات

چند لمحوں کے بعد دونوں طرف خاموشی طاری رہی، پھر اسٹیز

جمشید نے کہا

”اس کا مطلب ہے، آپ کسی فواد گیلانی کو نہیں

جانتے۔“

”نہیں! میں تو یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔“

”یہاں ہمارے شہر میں اس نام کے ایک شخص نے مجھے

فون کیا تھا... آپ کا نام سنا تھا کہ آپ نے انہیں مجھ سے رابطہ

کرنے کا مشورہ دیا ہے... سو میں ان کی مدد کی نیت سے ان

کے پاس چلا گیا تھا... ان کا مسئلہ بہت پر اسرار سا ہے... مجھے

خیال آیا... آپ سے تصدیق کر لوں... معلوم ہوا... اس نے

واہ کو فون کیا... مسئلہ فوراً حل ہوا، انہوں نے کہا

”ان تیتوں کی کیا رپورٹ ہے۔“

”اپنے کمرے میں ہیں سر۔“

”دستک دے کر ن سے بات کرنے کی کوشش۔“

”اوکے سر۔“

”کریں... پھر میں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔“

”جی بہتر۔ کیا میں فون آن رکھوں۔“

”ہاں! انہوں نے فوراً کہا۔“

اب انہوں نے اس طرف بھی دستک لی آداریں
ئیں... آخر دروازہ کھلنے کی آواز سنی... اور اس تیتوں
کی آواز سنائی دی:

”یس... ہم آپ کے کمرے میں ہیں۔“

”ایک منٹ۔“ سادہ لباس والے نے ان سے کہا، پھر

فون میں بولا:

”جی... یہ موجود ہیں... کیا کرنا ہے۔“

”ایک منٹ...“

اب انہوں نے پھر پہلے والے سے پوچھا۔

”نواد گیلانی کا دروازہ کھلایا نہیں۔“

”ابھی تک تو انتظار میہ کا کوئی آدمی نہیں پہنچا سر۔“

”اچھی بات ہے... جونہی دروازہ کھلے... فون

اب انہوں نے دوسرے سے کہا۔

”انہیں بتا دو... نواد گیلانی کے دروازے پر بدستور

دی جا رہی ہے... لیکن دروازہ نہیں کھل رہا... خیال

... اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے... اگر ایسی کوئی بات

تو ان کے دروازے پر دروازہ اندر سے بند کر لیں، فی الحال

آرام کریں... اور دروازہ اندر سے بند کر لیں، فی الحال

ادھر آنے جانے کی کوشش نہ کریں۔“

”جی بہتر! اگر یہ کہیں جانے کی کوشش کریں تو انہیں

لیا جائے۔“

”ہاں! روک لیا جائے۔“

”بہت بہتر۔“

پھر کچھ دیر بعد پہلے سادہ لباس والے کا فون... وہ تھر

نچی آواز میں کہہ رہا تھا:

”سر... سر... اندر اس کی لاش موجود ہے۔ تو تھا نہیں کہ میں چوکتا ہو جاتا۔“

”قتل کر دیا گیا ہے۔“

”خیر کوئی بات نہیں... تم فون پر اپنے... بلکہ مجھے اس

”کیا کہا... یہ کیسے ہو سکتا ہے... کیا اس سے کوہر نوٹ کر ادو، میں خود بات کر رہا ہوں۔ یہ لوگ اب کیا

”ہے ہیں۔“

”جی... جی ہاں... ایک صاحب ملنے آئے۔“ انہوں نے پولیس اسٹیشن سے رابطہ کیا

”کوئی ایک گھنٹہ اندر رہے تھے... پھر کمرے سے نکل کر... دوسرے یہ کہ ہوٹل کا سراغ رساں بھی پہنچ گیا ہے...“

”تھے۔“

”قتل کس طرح کیا گیا ہے۔“

”اس کی نگرانی کی گئی۔“

”جی ہاں! میرا ساتھی اس کے تعاقب میں چلا۔“ لاش کے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے.. نہ گلا کھونٹے کے

”ابھی تک اس کی داہی نہیں ہوئی۔“

”وہیں... لگتا ہے... جسم میں ربر داخل کیا گیا ہے..“

”سواں تو یہ ہے کہ پھر دروازہ اندر سے بند کیا گیا جسم بہت تیزی سے نیل ہو رہا ہے۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے... میں آ رہا ہوں۔“

”اس کا صرف ایک ہی جواب ہے... قاتل اب انہوں نے دوسرے سادہ لباس والے کو فون کیا

”ساتھ لے کر لکھا تھا... اور جب اس نے دروازہ بند کیا تو دروازے

”یہ اس نے چابی گھما دی اور چابی نکال کر جیب میں

”کرہ نمبر 302 کے مسافر نواد گیدنی کو ہلاک کر دیا

”لی... میں اس وقت برآمدے میں تھا... اس قدر قریب ہے۔“

”تھا کہ اس کی یہ حرکت نوٹ کر سکتا... یوں بھی وہ شخص ار

”کیا... اس کے منہ سے نکلا۔“

”یہ خیر ان تینوں کو سادو اور یہ کہ کمرے سے۔“

ادھر ادھر کہیں بھی نہ جانے پائیں۔“

”اوسے سر... آپ فکر نہ کریں۔“

اب انہوں نے اس سادہ لباس والے کو فون کیا
قاتل کے تعاقب میں گیا تھا، لیکن اس کا فون بند ملا۔
انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے کہا

”تم میرے ساتھ چنا پسند کرو گے۔۔۔ یا آرا
کے۔“

”آرام کا ہماری زندگیوں میں کیا کام۔“ فاروق
جلدی سے کہا۔

وہ مسکرا دیے... پھر چاروں اپنی کار میں ہوٹل
پہنچے... کار کو پارک کیا اور اوپر آگئے... کمرہ نمبر 102
سائنے اب پولیس موجود تھی... سادہ لباس والا انہیں دیکھ
کی طرف پکا

”اس میں شک نہیں سر کہ قتل رہا ہے۔۔۔
قاتل وہی تھا... جو ملنے کے لیے آیا تھا۔“

”ہوں! اس نے بیچے کا دھنڑ پر اپنا نام پکا کیا“

”رضا طالب۔“

”شناختی کارڈ پر یہی نام لکھا تھا... یا ان لوگوں نے ش

ختی کارڈ دیکھا ہی نہیں۔“

”یہ پوچھنا پڑے گا۔“

”پوچھ لو...“ یہ کہ کر وہ کمرے کی طرف بڑھے...

اس وقت تک بلائے گئے کچھ پولیس آفیسر کو ان کی آمد کا علم ہو چکا
تھا۔ لہذا وہ پہلے ہی ان کے لیے راستہ چھوڑ چکا تھا۔

”آپ... مجھے نہیں معلوم تھا... یہ کیس آپ سے
متعلق ہے۔“

”کوئی بات نہیں... مقتول نے کچھ ہی دیر پہلے مجھ سے

رابطہ کیا تھا... میں نے یہاں آکر اس سے ملاقات کی تھی...“

”اوہو اچھا۔“ پولیس انسپکٹر کے سبھ میں حیرت در
آئی۔

”جی ہاں! اس کا کہنا تھا... تین آدمی اسے ہدک

کرنے کی تین بار کوشش کر چکے ہیں... اور یہ کہ وہ شہر چٹ گام

کے رہنے والے ہیں... وہیں اس پر ان تینوں نے حملے کیے تھے

لیکن وہ بچ گیا تھا۔ اب وہ یہاں اسی سسلے میں آیا تھا... کسی نے اسے مشورہ دیا تھا کہ مجھ سے رابطہ کرے... سو اس نے یہاں آ کر مجھ سے فون پر رابطہ کیا، میں یہاں آیا تو اس نے ان تینوں کی صورتیں بھی مجھے دکھائی تھیں... وہ نیچے کار پارک میں کھڑے تھے۔“

”اوہ! اچھا۔“ انسپکٹر نے اور یہ وہ حیرت ظاہر کی۔

”ہاں جناب! پھر میں نے اس تینوں سے بھی بات کی تھی... اور انہیں خبردار کیا تھا... اس۔۔۔ بعد اس کی نگرانی پر وہ لباس والے اور دو سادہ لباس والے ان صاحب کی نگرانی پر مقرر کیے تھے... اس کے کمرے کے باہر جو دو سادہ لباس والے مقرر تھے... انہوں نے ایک ملاقاتی کو آتے ہوئے دیکھا تھا... پھر وہ باہر نکلا تو ان میں سے ایک نے اس کا تعاقب شروع کیا تھا۔“ انسپکٹر جمشید یہاں تک کہ کر خاموش ہو گئے۔

”بہت خوب... تب تو قاتل ہماری پہنچ سے باہر نہیں ہو گا۔“

”نہیں! یہ نہیں کہا جاسکتا... کیونکہ اس کا فون مسلسل بند ہے... جب کہ تعاقب کی صورت میں وہ فون بند نہیں کر سکتا

تھا... اور اس کا مطلب ہے، اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہے...“

”اوہ... اوہ۔“ انسپکٹر دھک سے رو گیا۔

”اب ذرا میں لاش کو دیکھ لوں... پھر ہم ان تینوں سے ملاقات کریں گے... اور اگر انہیں گرفتار کرنے کا فیصلہ ہوا تو آپ انہیں لے جائیے گا۔“

”بہت بہتر۔“

انسپکٹر جمشید کمرے میں داخل ہوئے... فواد گیلیانی کمرے کے قالین پر ادغہ جا پڑا تھا... اس کے منہ سے جھاگ نکل کر قالین پر پھیل گیا تھا اور جسم بالکل نیلا ہو چکا تھا اور کمرے میں کسی قسم کی گڑبڑ کے آثار نہیں تھے...

”حیرت ہے“ انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

”جی... کس بات پر حیرت ہے۔“ فاروق چرکا۔

”ہمارے سادہ لباس والے کا بیان ہے... ملاقاتی

اندر ایک گھنٹے تک رہا... جب کہ اس کا کام تو ایک منٹ کا تھا... اسے تو بس اتنا کرنا تھا کہ اس سے ہاتھ ملاتے وقت زہریلی سوئی اس کے جسم میں داخل کر دیتا... اس کام میں بھلا کیا دیر لگتی ہے... اور وہ ایک گھنٹے تک اندر رہا... آخر کیوں؟“

انہوں نے زوردار انداز میں کہا اور اس تینوں کی طرف دیکھا۔

”کیا آپ کا یہ آخر کیوں... ہمارے لیے ہے۔“

”ہاں بالکل۔“

”فی الحال ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے...“

فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”یہ اچھی بات ہے۔“

”جی کیا مطلب... کون سی بات اچھی ہے۔“

”یہی کرنی فی الحال تم اس بارے میں چھ نہیں کر سکتے۔“

وہ مسرائے۔

”دینے یہ سوال بہت اہم ہے... مگر وہ شمس اسے قتل

کرنے آیا تھا، تب تو اسے اندر تک کھنکھ نہیں لگ سکتا تھا... اس

کا مطلب یہ ہے کہ ایک گھنٹے تک اس نے ضرور کوئی کام کیا تھا

... اور ہم دیکھ رہے ہیں... کمرے میں کسی کڑبڑ، افراتفری

کے نشانات نہیں ہیں... گویا ان کے درمیان کوئی کھینچا تانی

نہیں ہوئی۔ یہ تو بالکل ایسا لگتا ہے... جیسے وہ سکون اور

اطمینان سے اندر آیا... اس نے اسے قتل کیا... ایک گھنٹے تک

کسی کام میں مصروف رہا اور چلا گیا، جاتے وقت دروازے کو

باہر سے لاک کر گیا۔ تاکہ کوئی فوراً نہ... رہ کھول کر لاش کو نہ

دیکھ لے...“

”یہ سب تو خیر ٹھیک ہے... سو اس تو یہ ہے کہ یہ سب

چکر کیا ہے۔“

”ابھی تک چکر کا کوئی اندازہ... میرا خیال ہے...“

”ہم ان تینوں کو یہیں کیوں نہ بلا لیں۔“

”ہاں ایہ ٹھیک رہے گا...“

انہوں نے مادہ لباس دلوں کو بدلیات دیں... اور

لاش کو بغور دیکھنے کے... اچانک نہیں ایک عجیب سا احساس

ہوا... اس نے فوراً بعد وہ دروازے اچھے... اور ان کی آنکھیں

وہ دروازے حیرت سے پھیل گئیں...

ایسے میں نفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ تینوں آتے نظر

آئے۔

بے ڈھب

نزدیک آتے ہی وہ تینوں ایک ساتھ بولے
 ”آف مالک ایہ کیا ہوا؟“

”وہی ہوا جس کا مسٹر فواد گیلانی کو ڈر تھا... انہوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ تین حضرات انہیں ہلاک کرنے کی تین بار کوشش کر چکے ہیں اور اسی لیے وہ اپنے شہر سے یہاں آئے تھے... وہ اس سلسلے میں مجھ سے مدد چاہتے تھے... لہذا میں نے ان سے ملاقات کی تھی اور آپ سے بھی بات کی تھی... اب آپ بتائیں... اس سلسلے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے... آپ ہم پر جرم ثابت کر دیں اور ہمیں گرفتار کر لیں... یا جرم ثابت کیے بغیر گرفتار کرنا

چاہتے ہیں تو بھی ہمیں کوئی پروا نہیں... کیونکہ اس جرم سے ہمارا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں...“

”خیر... مہربانی فرما کر یہ بتائیں... آپ تینوں کے نام کیا ہیں۔“

”ہمارے نام ہے... ناصر تین ہیں۔“

”یہ کیا نام ہوا ناصر تین۔“

”ناصر نمبر 1 ناصر نمبر 2 ناصر نمبر 3۔“ تینوں بولے۔

”یہ لیا کر رہے ہیں یہ لوگ... ایک ساتھ کیوں بول رہے ہیں۔“ انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

”اں کا کہنا ہے... یہ تین نہیں... ایک ہیں... جو بولیں گے، اکٹھے بولیں گے۔“

”اور اگر انہیں الگ الگ کر دیا جائے... تو؟“
 فرزانہ بول پڑی۔

”اور ہاں! یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔“

”کوئی فائدہ نہیں...“ تینوں بولے... ساتھ میں مسکرائے بھی۔

”کیوں بھلا... فائدہ کیوں نہیں۔“

”تجربہ کر لیں۔“ انہوں نے منہ ہٹایا۔

”پہلے تو آپ بہت تھیں۔ اب لوگ عالم پر رہنے والے ہیں۔“

”ہاں ایہ ٹھیک ہے۔“ وہ بولے۔

”نوادگیلانی کو کیسے جانتے ہیں۔“

”بالکل نہیں جانتے۔۔۔ ہمارے کسی سے کوئی تھیں

ہے۔۔۔ ہمیں تو اس کے منہ سے یہ باتیں ہی لڑتے ہیں۔“

لیکن یہ یہ ممکن ہے۔ آپ دونوں ہاتھوں میں لہلی تعلق نہیں۔۔۔ بین آپ دونوں باہم پورے رہتے رہے ہیں۔۔۔ ہمارے ایک ہی وقت میں ہمارے شہر میں آئے۔۔۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی ہوٹل میں آکر ٹھہرے۔۔۔ یہ تو ہمارے ہے کہ آپ نے اس پر تین بار حملہ کیا۔ اور اب وہ دوتھے ہاتھوں میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔“

”نہ ہمارے ان یہ نام پورے ہمارے۔۔۔ یہ صرف یہ اتفاق ہے کہ ہم یہی وقت میں ہمارے ہوٹل میں آکر ٹھہر گئے ہیں۔“ یہ جسے بھی نہیں لے یہ ہاتھ سے

تھے۔۔۔ اور اس پر انہیں اور زیادہ حیرت ہوئی تھی۔

”آپ کیا کام کرتے ہیں۔“

”مارا اپنا کاروبار ہے۔۔۔ جوتے بنانے کا ایک بڑا کارخانہ۔“

”ہوں۔۔۔ کیا خیال ہے انپکٹر صاحب۔۔۔ ان

حالات میں آپ انہیں رفقہ کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں انہیں محسوس کر رہا ہوں۔ خاص طور پر اس صورت میں۔ آپ۔۔۔ بات نے اس کمرے میں کسی اور شخص کو آتے ہیں۔۔۔ اور وہ اندر رہے۔ ایک گھنٹہ تک رہے۔۔۔ پھر جب گیا تو باہر سے گاڑیاں آ رہی تھیں۔ اور وہاں کھلو یہ گیا تو اندر لاش ملی۔ اس حالت میں انہیں تو رفقہ کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔۔۔ ویسے جو آپ فرمائیں۔“

”میں بھی یہی بتا رہا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”ٹھیک ہے پھر۔۔۔ انہیں جانے دیں۔“

”اوہ۔۔۔“ وہ بولے۔۔۔ پھر ان تینوں کی طرف

رخ کر کے کہا۔

”آپ لوگ جاسکتے ہیں۔۔۔ فی الحال آپ پر کوئی

الزام نہیں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ وہ بولے۔

”اور وہ تجربہ تو رہی گیا اباجاں۔“

”اوہ ہاں... وہ تو کرنا چاہیے... ان تینوں کو الگ

الگ سمت میں لے جانا بھی ذرا، اس قدر فاصلے پر کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں۔“

”جی اچھا۔“

سادہ لباس والے انہیں الگ الگ لے جاتے تھے...

اس وقت تینوں نے احتجاج کے انداز میں کہا

”یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں... جب کہ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔“

”بس تجربہ کر رہے ہیں۔“ اسیہ جیشید طراے۔

اور پھر وہ کافی دور چلے گئے... صرف ایک ان کے

پاس رہ گئی... جونہی وہ دونوں اس کی نظروں سے اوجھل

ہوئے... وہ تڑے گرا اور بے ہوش ہو گئی

”اوہو ایہ کیا ہوا۔“

”محمود... ادھر جا کر دیکھو... وہ دونوں ہوش میں

ہیں یا نہیں۔“

محمود اس طرف پکا... جس طرف ان دونوں کو لے جایا گیا تھا۔ پھر جلد ہی لوٹ آیا:

”وہ دونوں بھی بے ہوش ہو گئے ہیں۔“

”اوہ... اوہ... خیر... سادہ لباس والے سے کہو... انہیں واپس لے آئیں۔“

”جی اچھا۔“ محمود نے ایک بار پھر دوڑ لگا دی۔

اور پھر جونہی وہ دونوں تیسرے کے نزدیک آئے... تینوں ہوش میں آ گئے... انہوں نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر تینوں وایک جگہ دیکھ کر مطمئن ہو گئے...

”... ہمارے بھائی کی سبھی میں نہیں آئے... اچھا یہ

بتائیں... آپ... شہر میں آئے کس لیے ہیں۔“

آپ ہنس گئے۔ ”وہ مسکرائے۔“

”کیا بھول گئے۔“

”ہم نے بتایا تھا... ہمارا جو توں کا ایک بڑا کارخانہ

ہے... ہم کاروباری سلسلے میں ہر سال یہاں آتے ہیں... یقین

نہیں تو آپ ہوٹل کی انتظامیہ سے پوچھ لیں... ہم تو ہر مرتبہ اسی

ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں۔“

تھا... ہم اسے اٹھالائے ہیں۔“

”اعظم خان کوں؟“

”ان کے منہ سے نکلا... پھر ایہ“

جشید بولے

”جو فواد گیلانی سے ملاقات کے لیے آئے، اس کے

ملاقات میں گیا تھا۔“

”اوہ اچھا... بہت خوب اس نے کیا بتایا۔“

”وہ بدستور بے ہوش ہے۔“

”یا اس سے تم پر رحم ہے۔“

نہیں۔ کوئی زخم نہیں... بے ہوشی کی وجہ معلوم

نہیں ہو سکتی۔ لڑائی کے بعد اسے ہوش میں لانے کی کوشش

نام ورنمبر وغیرہ نوٹ کر کے اسے اس کی طرف لے جاتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے... ہوش میں آنے کے بعد وہ جو کچھ

کہتا ہے... سن لیں۔“

”اوہ کے سر“

انہوں نے نوٹ بد رو دیا اور یہ جوابی دیا۔“

”میرا خیال ہے... اس نے اب تک کوئی سچی بات

نہیں آرمی... محمود بڑھوایا۔“

”ہاں“ یہی بات ہے... انہوں نے کہا۔“

”سب لوگ جانتے ہیں... ہمیں کس پر ہمارا مشورہ

کر رہے ہیں... آپ شر سے بچنا چاہتے ہیں؟“

”جی ہاں... میں اس سے بچنا چاہتا ہوں۔“

”میں نوٹ کر دیا ہوں... اس کے ساتھ آپ کا نام

لکھا ہے۔“

”انٹیکلنڈ برہمن۔“

رحمت کر دیا گیا... تاہم سینیٹر جشید کے دو بھائی

واپس کو ان کی مگر فی پر مقرر کر دیا۔“

”کی طرف متوجہ ہوئے...“

”جی ہاں... میں نوٹ لکھ چکی ہوں۔“

”جی ہاں... میں نوٹ لکھ چکی ہوں۔“

”جی ہاں... میں نوٹ لکھ چکی ہوں۔“

”جی ہاں... میں نوٹ لکھ چکی ہوں۔“

”جی ہاں... میں نوٹ لکھ چکی ہوں۔“

”جی ہاں... میں نوٹ لکھ چکی ہوں۔“

جھک گئے۔ وہ اس کے چہرے کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر انہوں نے رجسٹر سے معلومات اپنی نوٹ بک سے... اور ساتھ میں نوٹ بک پر کچھ نوٹ بھی کرتے جا رہے تھے۔ ان کے مطابق فواد گیلانی بالم پوری کا رہنے والا تھا۔ ان کے چہرے پر حیرت بڑھتی جا رہی تھی... آخر تھا... اس کے گھر کا پتا اور فون نمبرز وغیرہ بھی لکھے ہوئے تھے... شافی کارڈ کی فوٹو کافی بھی موجود تھی... انہوں نے اس سیدھے ہو گئے... اور انکسٹریٹ سے بولے۔

”آپ اپنی کارروائی پوری کر کے لاش اٹھاویں۔ کی کافی بھی بڑی... اور نوٹ بک میں رکھ لی...“

”ٹھیک ہے جناب۔“

اب وہ نیچے آئے... کسی کے نمبر ڈائل کیے... دوسری طرف تھنٹی بجنے کی آواز سنائی دے...

”ہمیں قتل ہونے والے شخص کے بارے میں قاری رہی... لیکن کسی نے فون نہ اٹھایا... دوسرے فون نمبرز معلومات چاہیں... جو آپ کے رجسٹر میں موجود ہیں۔“

”جی اچھا۔“

”حیرت ہے۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

اس نے رجسٹر کھول کر ان کے سامنے کر دیا

”کیا یہ صاحب اس سے پہلے بھی یہیں ٹھہرتے تھے۔ آخر انہوں نے کہا۔“

”میں بالم پور جانے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں...“

”جی نہیں... یہ تو شاید پہلی مرتبہ آئے تھے۔“

”اوہ اچھا... اور وہ تینوں... تا صرتیں۔“

”وہ اکثر آتے رہتے ہیں۔“

”خوب!“

”میں بالم پور جانے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں...“

”کیس مجھے بے چین کیے دے رہا ہے... بظاہر اس کیس سے...“

”میں بالم پور جانے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں...“

”کیس مجھے بے چین کیے دے رہا ہے... بظاہر اس کیس سے...“

”میں بالم پور جانے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں...“

”کیس مجھے بے چین کیے دے رہا ہے... بظاہر اس کیس سے...“

گئے... یہی بات مجھے فرمادی ہے، بے رسی ہے... ہر حال میں آوار میں کہا

ہم پورا جانا ہوگا۔

”تو یہ ہم نکل خان رحمان اور پروفیسر نکل لونا،

کریں... فاروق نے حدی سے کہا۔

”انہیں پریشان کرنا منسب نہیں... آؤ چلیں۔“

”ابھی اور اسی وقت۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”ہاں ابھی اور اسی وقت... اس لیے کفون۔“

سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا۔

”چپ پھر... سن دیدہ نہیں۔ پھر پروفیسر نکل اور

نکل خان رحمان شکایت کریں گے کہ ہمیں کیوں ساتھ نہیں لیا۔

”خیر تم کہتے ہو تو فون کر لو۔“

اب فاروق نے خان رحمان کے نمبر ڈاکی کیے۔

سیدہ ملنے پر ان کی آواز سنائی دی... دو دراز دارانہ انداز میں

کہہ رہے تھے:

”ہم لوگ خطرے میں ہیں... اور بس۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا... مار۔

حیرت کے درخوف کے فاروق کا رنگ اڑ گیا... اس نے لر

آوار میں کہا

’نکل خان رحمان‘ بھی خطرے میں ہیں۔

’کیا؟‘ ان کے منہ سے نکلا اور پھر انہوں نے مار

پوری رفتار پر چھوڑ دی۔

☆☆☆☆☆

”کیا دیکھ لیں؟“ محمود کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔
 ”یہ کہ یہ گھر ہمارا ہے... آپ کے دوست کا ہوتا تو
 آپ کے دوست آپ سے ملنے کے لیے نکلتے...“
 ”ٹھیک ہے... ہم اندر آ کر دیکھ لیتے ہیں۔“
 ”ضرور ضرور... شوق سے۔“ وہ مسکرایا۔
 انہوں نے اس وقت شدید الجھن محسوس کی... ان کی
 سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا... آخر وہ اس کے ساتھ اندر داخل
 ہوئے۔

”آپ کا نام کیا ہے جناب... پہلے تو یہ دیں۔“
 ”ہاں کیوں نہیں... نام بتانے میں کیا حرج ہے...
 میں آدم ہوں۔“

”اور آپ کب سے اس کوٹھی کے مالک ہیں۔“
 ”ہمیشہ سے! یہ میں نے ہی بنوائی تھی... میرا مطلب
 ہے... زمین خرید کر بنوائی تھی۔ ہمیشہ سے ہی میری ہوئی نا۔“
 ”ارے میاں کیوں بے پرکی اڑاتے ہیں...“
 فاروق ہنسا۔

”کیا مطلب؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

آپ کون؟

انہوں نے خان رحمان کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر ہی دہ-
 لیو... کار سے اترتے ہی وہ دروازے کی طرف لپکے محمود نے
 بے تابانہ انداز میں گھنٹی کا بزن دبا دیا۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز
 سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک اجنبی آدمی کی آواز سنائی
 دی۔

”جی... کس سے ملتا ہے۔“

”یہ گھر ہمارے دوست خان رحمان کا ہے... آپ
 کون ہیں؟“ انسپکٹر جمشید نے منہ بتایا۔

”یہ گھر ہمارا ہے... یہاں کوئی خان رحمان نہیں رہتے
 ... اگر یقین نہیں تو اندر آ کر دیکھ لیں۔“

”یہ کوٹھی ہمارے انگل خان رحمان کی ہے... پسے یہاں ان کا آبائی مکان تھا۔ یعنی ان کے باپ دادا یہیں رہتے تھے... پھر انہوں نے اس پرانی عمارت کو گرا کر نئی کوٹھی بنوائی... اب آپ ہیں کہ رہے ہیں... یہ کوٹھی آپ کی ہے اور ہے بھی ہمیشہ سے۔“

”ہاں ایسی بات ہے... آپ خود کیجیے۔“

وہ اندر آگئے... اندر خان رحمان اور ان کی بیوی بچوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا... نہ ظہور اور اس کی بیوی نظر آئے... البتہ کچھ نئے لوگ ضرور تھے... اور ظاہر ہے... وہ مسز آدم کے گھر کے افراد تھے...

”حیرت ہے... کمال ہے... افسوس ہے...“
فاروق کے منہ سے نکلا۔

”کس بات پر حیرت ہے، کمال ہے، افسوس ہے۔“
فرزانہ نے اسے گھورا۔

”ہر بات پر... یہاں تو کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں... جس پر حیرت نہ ہو... یہ گھر ہمارے انگل خان رحمان کا ہے... ہم یہاں ہزاروں بار آئے گئے ہیں... لیکن آج یہ

صاحب کہہ رہے ہیں... یہ گھر ان کا ہے... درمزی کی بات یہ ہے کہ یہاں اس وقت انگل خان رحمان ہیں بھی نہیں... نہ ان کے بیوی بچے اور ملازم ہیں... آخر وہ کہاں ہیں۔“ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

”ارے ہاں! ایک منٹ۔“ یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کے نمبر ملائے، کیونکہ یہاں آنے سے پہلے انہوں نے ان سے بات کی تھی... انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی... ہاں یہ ضرور کہا تھا کہ بس آج آؤ۔ یہاں تمہاری ضرورت ہے۔“

انہوں نے نمبر ملائے تو فوراً ہی خان رحمان کی آواز سنائی دی... اس کی آواز سن کر انہیں جہاں خوشی ہوئی، وہاں حیرت بھی ہوئی۔

”خان رحمان... تم کہاں ہو۔“

”یار جمشید... تم آئے نہیں اب تک... میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہاری ضرورت ہے۔“

”اُف مالک ایہ... یہ سب کیا ہے۔“ انسپکٹر جمشید جلائے اٹھے۔

”کیا مطلب... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“ خان رحمان کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

”ہم اس وقت تمہارے گھر میں موجود ہیں... اور تم ہمیں یہاں کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے۔“

”کک... کیا!!“ خان رحمان چلائے۔

”کیوں خان رحمان... تم اس قدر زور سے کیوں چلائے۔“

”یہ... یہ تم نے کیا کہا... تم میرے کمرے میں موجود ہو اور ہم یہاں نہیں ہیں۔“

”ہاں! خان رحمان... یہی بات ہے... تمہاری جگہ یہاں کچھ اور لوگ موجود ہیں... ان کا کہنا ہے... یہ ان کا گھر ہے... آج کا نہیں... ہمیشہ سے یہ ان کا گھر ہے۔“

”یہ... یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمشید... یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے... بس صرف ہم ہی ہم ہیں... یہ دیکھو... یہ میری بیگم... یہ میری بیگم... یہ میرے تئوں بچے اور یہ اس طرف ظہور اور اس کی بیگم سلنی... ظہور تم بولتے کیوں نہیں... میری بات کی تصدیق کیوں نہیں کرتے...“ خان رحمان کی آواز تیز

ہو گئی۔

”خان صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب۔“

”نن نہیں... آف مالک... یہ... یہ کیا چکر ہے۔“

”سنو جمشید... اگر واقعی یہاں کچھ لوگ موجود ہیں... تو وہ ضرور فراڈ ہیں... تم انہیں گرتی رکرو۔“

”وہ تو ٹھیک ہے خان رحمان... لیکن تم ہم لوگوں کو نظر کیوں نہیں آ رہے... آخر تم کہاں ہو...“

”حد ہو گئی... ارے بھی ہم اس وقت صحن میں ہیں۔“

”نن نہیں... نہیں... صحن میں تو یہ لوگ ہیں۔“

”کیا!!“ خان رحمان چلا اٹھے۔

اور انسپکٹر جمشید سر پکڑ کر بیٹھ گئے... اس وقت انہوں نے آدم کو بے تحاشہ ہنستے دیکھ... اس کی ہنسی لمبی ہوتی چلی گئی... وہ بڑے بڑے منہ بنا کر اس کی طرف دیکھتے رہے... آخر فاروق سے رو نہ گیا:

”آپ کی ہنسی شیطان کی آنت جتنی لمبی ہے... کیا آپ اسے چھوٹا نہیں کر سکتے۔“

”ہاں! کیوں نہیں... آج انپکڑ جھید بھی خود کو تھک چکر محسوس کر رہے ہیں... کیوں یہی بات ہے نا۔“

”ہاں! بالکل یہی بات ہے... لیکن بہر حال... ہم اس معاملے کی تہ تک پہنچ جائیں گے... ایک منٹ ٹھہریں۔“

”میں تو ٹھہرا ٹھہرایا ہوں... کیونکہ اس وقت اپنے گھر میں ہوں۔“

انپکڑ جھید نے کوئی جواب نہ دیا اور پرو فیرواد کے نمبر ملائے۔ جلد ہی ان کی آواز سنائی دی

”ہیلو... کون صاحب۔“

”کیا کہہ آپ نے ہیلو... آپ تو السلام علیکم کہا کرتے ہیں۔“

”آپ ہیں کون۔“

”یہ ایک اور رہی... اب آپ میری آواز بھی نہیں پہچانتے رہے۔“

”میں نے پوچھا ہے... آپ کون ہیں... پہلے نام بتائیں... پھر بات کریں۔“

”حیرت ہے... کمال ہے... افسوس ہے... آپ

انپکڑ جھید سے پوچھ رہے ہیں... آپ کون ہیں... نام بتائیں۔“

”انپکڑ جھید۔“

”کون انپکڑ جھید؟“

”اوہ اب سمجھا... آپ مذاق کے موڈ میں ہیں۔“

”نہیں... ہرگز نہیں... میں انجان لوگوں سے مذاق نہیں کیا کرتا۔“

”اللہ! اب میں انجان ہو گیا۔“

”ہو گیا نہیں... پہلے سے انجان ہیں... میں نہیں جانتا آپ کون ہیں... کیا ہیں اور کیوں مجھے پریشان کر رہے ہیں۔“

”اچھی بات ہے... پہلے ہم ادھر سے فارغ ہو لیں... پھر آپ کی طرف آئیں گے۔“

”کدھر سے فارغ ہو میں؟“

”خان رحمان کی طرف سے۔“

”خان رحمان... یہ کون ہیں... دیکھیے میاں! آپ بلاوجہ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں... وہ آگئے تو مجھے ماریں گے۔“

”کون ماریں گے آپ کو۔“ مارے حیرت سے انہوں نے کہا۔

”وہی... جو اس پوری عمارت کے مالک ہیں۔“

”مطلب... یہ کہ اس تجربہ گاہ کے آپ مالک نہیں ہیں۔“

”تو یہ کریں جی... میں تو ان کا نوکر ہوں نوکر۔“ وہ زور دے کر بولے۔

ان کا دماغ گھوم گیا۔ آخر انہوں نے ٹک آ کر کہا ”اچھی بات ہے... پھر آپ سے بات کروں گا۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔“ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

”معلوم ہوتا ہے... ادھر بھی گڑبڑ ہے۔“ محمود نے پریشان ہو کر ادھر دیکھا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے...“ الیکٹرک جشید نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے... جب سمجھ میں آجائے... بتا دیجیے گا۔“

”اب کیا کرنا ہے ابا جان۔“ فرزانہ کی آواز ابھری۔
”تم ہی بتاؤ فرزانہ۔“

”ان لوگوں کو گرفتار کر کے حوالت میں پہنچا دیں... خود ہی اگل دیں گے کہ یہ کون ہیں... اور کیا چکر چلا رہے ہیں۔“ فرزانہ نے کہا۔

”ہاں ایسے ٹھیک رہے گا...“

اور انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کر ڈالے... اس کی آواز سن کر انہوں نے صورت بتائی۔ اور فون بند کر دیا۔

”اکرام بہت جلد یہاں پہنچ جائے گا...“

”کون اکرام... اب تک آپ نے یہ نہیں بتایا، آپ یہاں کس لیے آئے ہیں۔“

”بتایا تو ہے... ہم اپنے دوست خان رحمان سے ملنے کے لیے آئے ہیں... یہ ان کا گھر ہے، ہم یہاں ہزاروں بار چکے ہیں... لہذا اس میں کسی قسم کی غلط فہمی کا سرے سے کوئی

مکان نہیں۔ اب رہا یہ سوال... آپ کون ہیں اور ہمارے دوست اور ان کے گھر کے باقی افراد کہاں ہیں... یہ ہم آپ سے معلوم کر ہی لیں گے...“

”کیا کہ آپ نے... آپ اور ہم سے معلوم کر لیں۔“
 ”آپ لوگ اب چلتے پھرتے نظر نہیں... ورنہ؟“
 اجنبی شخص نے کہا۔

”ہاں اکیوں نہیں... ان شاء اللہ۔“

”ورنہ کیا؟“

”ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گا۔“

”یہ کام ہم خود کر چکے ہیں... فکر نہ کریں۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ پولیس کو بلا کر کیسے ثابت کریں گے کہ یہ کوئی

سارے معاملے میں کوئی گہرا پیکر ضرور ہے... یہ بات نہیں ہونے کی ہے۔“

”وہ چکر کیا ہے... یہ ہم معلوم کریں گے۔“
 ”میرے پاس کاغذات ہیں... پھر یہ کہ آخر میرے

”لے... لیکن۔“ ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری۔ ”میں ہائیں پڑوسی رہتے ہیں... وہ بھی گواہی دیں گے...“

”کچھ کہنا چاہتی ہو فرزانہ؟“ انسپکٹر حشید نے سنا۔
 ”آپ کا مطلب ہے... پڑوسی آپ کے حق میں گواہی

انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

”جی ہاں! چکر تو ہم معلوم کر لیں گے... غور ظاہر“
 ”ہاں اور کیا آپ کے حق میں۔“

”ہمارا تو یہی خیال ہے... کیونکہ مدتی زمر گئیں ہمیں“
 ”ہاں... ہوٹل امبرادالا چکر بھی کچھ کم عجیب نہیں تھا... ابھی تو ماں آتے جاتے... آس پاس کے لوگ ہمیں اچھی طرح

سے نہیں سمجھ پائے تھے کہ یہ شروع ہو گیا۔“
 ”نئے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں... فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔“
 ”میرا کہنا بھی یہی ہے... مدتی زمر گئیں مجھے یہاں

”آپ لوگ اب چلتے پھرتے نظر نہیں... ورنہ؟“

اجنبی شخص نے کہا۔

”ورنہ کیا؟“

”ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گا۔“

”یہ کام ہم خود کر چکے ہیں... فکر نہ کریں۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ پولیس کو بلا کر کیسے ثابت کریں گے کہ یہ کوئی

سارے معاملے میں کوئی گہرا پیکر ضرور ہے... یہ بات نہیں ہونے کی ہے۔“

”وہ چکر کیا ہے... یہ ہم معلوم کریں گے۔“
 ”میرے پاس کاغذات ہیں... پھر یہ کہ آخر میرے

”لے... لیکن۔“ ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری۔ ”میں ہائیں پڑوسی رہتے ہیں... وہ بھی گواہی دیں گے...“

”کچھ کہنا چاہتی ہو فرزانہ؟“ انسپکٹر حشید نے سنا۔
 ”آپ کا مطلب ہے... پڑوسی آپ کے حق میں گواہی

انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

”جی ہاں! چکر تو ہم معلوم کر لیں گے... غور ظاہر“
 ”ہاں اور کیا آپ کے حق میں۔“

”ہمارا تو یہی خیال ہے... کیونکہ مدتی زمر گئیں ہمیں“
 ”ہاں... ہوٹل امبرادالا چکر بھی کچھ کم عجیب نہیں تھا... ابھی تو ماں آتے جاتے... آس پاس کے لوگ ہمیں اچھی طرح

سے نہیں سمجھ پائے تھے کہ یہ شروع ہو گیا۔“
 ”نئے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں... فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔“
 ”میرا کہنا بھی یہی ہے... مدتی زمر گئیں مجھے یہاں

ہاں جب بات مکمل جائے گی... اس وقت ہم فیصلہ کریں گے کہ
ہمیں کیا کرنا چاہیے... اور یہ کہ ہمیں کس طرف جانا چاہیے..
کس طرف نہیں جانا چاہیے... اور اس کام میں اب زیادہ دیر
نہیں لگے گی..."

ایسے میں دروازے کی کھنٹی بج گئی:
"لیجیے... پولیس آگئی..."

"خوب... خوب... چلیے یہ اچھا ہے۔"
اور خود آپکڑ جوشید نے جا کر دروازہ کھول دیا...
اکرام نے انہیں دیکھ کر کہا
"السلام علیکم..."
"وعلیکم السلام اکرام... آؤ... بھئی... بہت عجیب
الامات ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں... ہم دیکھ لیں گے۔"
"اچھی بات ہے۔"

سب آپکڑ اکرام اپنے ہاتھوں کے ساتھ اندر
گیا... فوراً ہی اس نے کہا
"انہیں گرفتار کر لو۔"

رہتے ہوئے... لہذا میرے پڑوسی میرے حق میں فیصلہ دیں
... نہ کہ آپ کے حق میں۔"

"اچھی بات ہے... آپ پولیس کو بلانا چاہتے ہیں
میں نے بھی پولیس کو بلایا ہے۔"

"لیکن وہ پولیس آپ کی طرف دار ہوگی... میں
جانب دار پولیس بلاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے... آپ بلا لیں۔" وہ بولے۔
"ابا جان۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہاں فرزانہ... تم پہلے بھی کچھ کہنا چاہتی تھیں...
"ہمیں ان پکڑوں میں بلا دینا نہیں الجھا جا رہا ہے

ضرور ملک میں کوئی خاص واقعہ پیش آنے کو ہے... یا یہاں
کارروائی شروع کی جا چکی ہے... اور ہمیں ان دو معاملہ
میں اس لیے الجھا یا گیا ہے کہ ہم اس طرف توجہ ہی نہ د
سکیں۔"

"اس میں شک نہیں فرزانہ تم نے درست اندازہ
ہے... لیکن جب تک کوئی بات مکمل کر سائے نہیں آ جاتی...
وقت تک ہم اپنے دوستوں کو چھوڑ کر کیسے ادھر چلے جائیں

”خبردار... قانون کے محافظ ہو کر آپ غیر قانونی“

کر رہے ہیں۔“

”کیا مطلب... اکرام زور سے چلا اٹھا۔

”یہ کوشی میری ہے... یہ لوگ یہ کوشی اپنے کسی دوسرے ان کی آواز فوراً سنائی دی۔

کی خیال کر رہے ہیں۔“

”اور بالکل ٹھیک خیال کر رہے ہیں... یہ کوشی اس۔

دوست خان رحمان کی ہے.. آپ لوگ فراڈ ہیں... لہذا

آپ کو گرفتار کر رہے ہیں۔“

”آپ کی مرضی.. ہم آپ پر مقدمہ درج کر

گے۔“

”آپ ضرور ایسا کیجیے گا... فی الحال تو آپ حوالہ

دلیے۔“

پھر اکرام کے ماتحت نے انہیں ہتھکڑیاں لگا دیں۔

”اکرام ان سے معلوم کرنا ہے کہ اس گھر کے لو

کہاں ہیں۔“

”آپ فکر نہ کریں... ہم معلوم کر لیں گے۔“

”نہیں معلوم کر سکیں گے۔“ آدم نے گویا چیلنج کیا۔

”اچھی بات ہے...“

اور اس کے ماتحت انہیں باہر لے چلے... ان کے

جانے کے بعد انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کے نمبر ڈائل کیے...

”جمشید! تم کہاں ہو۔“

”تمہارے گھر کے گھن میں... اور تم۔“

”نیچے گودام میں۔“

”کیا مطلب.. کیا تم گودام میں قید ہو۔“

”یہی کہا جاسکتا ہے۔“

”جب پھر پہلے تم کیا کہہ رہے تھے...“

”ہمیں نہیں معلوم... ہم کیا کہتے رہے ہیں... البتہ

اتنا احساس ضرور ہو رہا ہے کہ ہم کوئی خواب دیکھتے رہے ہیں۔“

”اچھا ہم آرہے ہیں..“

وہ دروازہ کھول کر نیچے گودام میں پہنچے... خان رحمان

ان کی طرف لپکے.. باقی لوگ بھی آگے بڑھے... ایسے میں

ان کے موبائل کی گھنٹی بجی... دوسری طرف اکرام تھا... اس

نے جونہی ایک جملہ کہا... وہ سب بہت زور سے اچھلے۔

نہیں کہا...“

”بس ٹھیک ہے... ہم دیکھیں گے... اور ہاں ناصر
تین کی کیا رپورٹ ہے۔“

”ناصر تین جب سے اپنے کمرے میں گئے ہیں، پھر نہیں
نکلے۔“

”ادو! چھا... کہیں وہ بھی کمرے کے اندر ہی سے
غائب تو نہیں ہو گئے۔“

”یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے سر۔“

”جی میں نے کہا... حالات جادوئی سے
ہیں... ایسا لگتا ہے جیسے اس بار ہمارا مقابلہ کسی، ہر جادوگر سے
ہے...“

”اچھی بات ہے... میں ماتحتوں سے کہتا ہوں... وہ
ان سے دروازہ کھولنے کے لیے کہیں گے... اس طرح معلوم ہو
جائے گا کہ وہ اندر ہیں یا نہیں۔“

”اگر وہ اندر نہ ملیں تو بتا دینا۔“

”اوکے سر۔“

اب وہ خان رحمان کی طرف مڑے... ادھر وہ ان کی

فیس

”کیا کہہ رہے ہو اکرام۔“

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں سر... جھکڑیاں ماتحتوں نے
ہاتھوں میں رہ تھیں اور وہ لوگ آرام اور اطمینان سے ان کی
آنکھوں کے سامنے ایک کار میں بیٹھ کر یہ چاؤہ جا۔“

”لیکن جھکڑیاں کیسے کھلیں۔“

”ماتحتوں کا کہنا ہے... وہ نہیں جانتے جھکڑیاں کیسے
کھلیں۔“

”خیر کوئی بات نہیں... حالات جادوئی سے
ہیں... ہمارے ساتھ بھی خان رحمان کے گھر میں کچھ ایسا ہی ہو
ہے... ماتحتوں کا کوئی قصور نہیں... انہیں سخت سزا نہ کہنا۔“

”ٹھیک ہے سر... میں نے انہیں ابھی تک ایک لفظ بھی

طرف مڑے... اور پھر سب آپس میں نہایت گرم جوشی سے ملے

”یہ سب کیا تھا خان رحمان۔“

”ہمیں کچھ معلوم نہیں... بس دروازے کی گھنٹی بجی تھی... اس کے ساتھ ہی کچھ لوگ اندر گھس آئے... ظہور انہیں نہ روک سکا... بس یوں لگتا تھا جیسے وہ ظہور کو نظر ہی نہیں آئے...“

”لیکن خان رحمان! تم تو ہم سے فوں پر باتیں کرتے رہے ہو۔“

”کون میں... نہیں تو... ہم تو جب سے مصیبت میں پھنسے ہیں... کسی سے کوئی بات نہیں کی۔“

”تمہارا موبائل تمہارے پاس تھا؟“ انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں! موبائل میرے پاس تھا... لیکن اس کے باوجود میں نے اس کے ذریعے کسی سے رابطہ نہیں کیا... البتہ جب گھنٹی بجی، اس وقت میں نے فون ضرور سنا اور بات بھی کی... لیکن کیا بات کی... یہ معلوم نہیں... بالکل یاد نہیں... یہ

بھی معلوم نہیں کہ فون کس نے کیا... اس نے کیا پوچھا... اور میں نے کیا جواب دیا۔“

”ہوں... خیر... تم فکر نہ کرو... ہم ان لوگوں کو دیکھ لیں گے... مجھے دراصل معلوم نہیں تھا کہ ہمارا مقابلہ کس قسم کے لوگوں سے آپڑا ہے۔“

اب وہ انہیں اوپر لے آئے... صحن میں آکر بیٹھ گئے...

”خان رحمان! اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو۔“

”کچھ عجیب سا... ایسا لگتا ہے جیسے میرا ذہن منتشر ہو چکا ہے... جیسے میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا ہوں... میں اپنی میز کی دراز کھولنے کی خواہش محسوس کر رہا ہوں۔“

”تو کھول لو خان رحمان۔“

”اچھی بات ہے جمشید... شکریہ!“ اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

ادھر انہوں نے ان تینوں کی طرف پریشان نظروں سے دیکھا... ادھر خان رحمان میز تک پہنچ گئے... انہوں نے دراز کو

کھولا... اس میں ہاتھ ڈالا... پھر فوراً ہی ان کا ہاتھ باہر آیا... اس میں پستول تھا... اچانک ان کا ہاتھ بلند ہوا اور انسپکٹر جمشید کی طرف مڑ گیا۔

ایک لمحے میں وہ سمجھ گئے کہ خان رحمان کیا کرنا چاہتے ہیں... انہوں نے خود تو اپنی جگہ سے چلا گیا لگائی ہی، ساتھ ہی ان تینوں سے بھی چلا کر کہا۔
”خود کو بچاؤ۔“

اور وہ ادھر ادھر لڑھک گئے... خان رحمان ان پر بے تحاشہ فائرنگ کرتے چلے گئے... اس کے ساتھ ساتھ وہ ادھر ادھر کرتے لڑھکتے چلے گئے یہاں تک کہ پستول خالی ہو گیا... انہوں نے پستول کھینچ کر انسپکٹر جمشید کے سر پر مارا... لیکن وہ دیوار سے ٹکرایا... انسپکٹر جمشید بلا کی تیزی سے جھک گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا... خان رحمان بت بے کھڑے تھے۔

”اب... کیا پروگرام ہے خان رحمان۔“

”میں... میں کچھ نہیں جانتا۔“

”اب کیا جی چاہ رہا ہے۔“

”رونے کو جی چاہ رہا ہے...“ انہوں نے کہا اور

واقعی رونے لگے۔

”تم ذرا ان کا دھیان رکھو... میں ایک دوست کو فون کرنا چاہتا ہوں۔“
”جی اچھا۔“

اب انہوں نے ایک دوست کو فون کیا... پھر فون بند کر دیا... اور ان سے بولے:

”دوست کے آنے میں پندرہ بیس منٹ لگ جائیں گے۔ اس وقت تک ان کا دھیان رکھنا ہوگا۔ ورنہ یہ ہم پر حملہ کر دیں گے۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے... کیا وقت آ گیا ہے... آخر انہیں ہوا کیا ہے۔“

”یا تو یہ کسی جادوگر کا کام ہے... یا پھر پٹنا نزم کے کسی بہت ماہر کا کام ہے... اسی لیے میں نے دوست کو بلایا ہے۔“

”انکل! آپ کیا کہتے ہیں۔“ محمود نے خان رحمان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”میں... میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔“

”آپ کو پتا ہے... آپ نے ابھی ابھی ہم پر ہرگز

کی ہے۔“

”ہاں! جانتا ہوں۔ لیکن میں نہیں جانتا۔ میں نے ایسا

کیوں کیا ہے۔“

”محمود اپنے انکل کو پریشان نہ کرو۔۔۔ انہوں نے

جو کچھ کیا۔۔۔ اپنی مرضی سے نہیں کیا۔۔۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

پھر ان کے دوست وہاں پہنچ گئے۔۔۔ اس کا نام پروفیسر

احسان شوی تھا۔۔۔ انہوں نے ساری تفصیل شادی۔۔۔ پروفیسر

احسان شوی نے ایک نظر خان رحمان پر ڈالی۔۔۔ پھر بولے

”انہیں میرے ساتھ بند کمرے میں چند منٹ کے لیے

ٹھہرنا ہوگا۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ خان رحمان تم اس کے ساتھ اپنے

کمرے میں چلے جاؤ۔“

”نہیں۔“ وہ خوف زدہ انداز میں بولے۔

”ارے خان رحمان۔۔۔ یہ میرے بہت اچھے دوست

ہیں۔۔۔ بس تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔“

”اچھا اچھا۔۔۔ تم کہتے ہو تو چلا جاتا ہوں۔“

وہ ڈرے ڈرے انداز میں احسان شوی کے ساتھ چلے

گئے۔۔۔ انہوں نے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔۔۔

”کیا یہ پٹا ٹرم کے باہر ہیں۔“

”ہاں! اور انہیں جادو کے بارے میں بھی بہت

معلومات ہیں۔۔۔ لہذا بہت جلد وہ ہمیں اپنی کارگزاری کی کے

بارے میں بتائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“

پھر دروازہ کھلا اور احسان شوی باہر نکلے۔

”میں انہیں سلاتے ہیں کامیاب ہو گیا ہوں۔۔۔ اس

میں تو کوئی شک نہیں کہ ان پر پٹا ٹرم کا اثر ہے۔۔۔“

”اب۔۔۔ اب کیا ہوگا۔“ محمود نے پریشانی کے عالم

میں کہا۔

”پندرہ منٹ کے بعد میں ان پر کام کروں گا۔۔۔ اس

کے بعد بتا سکوں گا کہ کامیابی ہوئی یا نہیں۔“

”اچھا اللہ مالک ہے۔“

پندرہ منٹ بعد وہ اندر چلے گئے اور کوئی آدھ گھنٹے بعد

باہر آئے۔۔۔ ان کے چہرے پر مایوسی نظر آئی:

”اس کا مطلب ہے۔۔۔ آپ کامیاب نہیں ہو سکے۔“

”نہیں... پندرہ منٹ بعد یہ ہوش میں آجائیں گے
البتہ۔“ وہ کہتے کہتے رک گئے۔

”ہمارے ملک میں پینا ٹرم کے سب سے زیادہ ماہر
پروفیسر ڈان ہیں... انہیں اس اثر سے وہ نکال سکتے ہیں... یا
پھر جس نے ان پر پینا ٹرم کیا ہے... وہ اس اثر کو زائل کر سکتے
ہے۔“

”ٹھیک ہے... ہم پروفیسر ڈان سے مل لیتے ہیں
... آپ ان کا پتا اور فون نمبرز وغیرہ دیں... پہلے ہم ان
سے رابطہ کریں گے... پھر ان کے ہاں چلے جائیں... آپ
صرف یہ بتا دیں کہ ہم انہیں اپنے ساتھ لے جا سکیں گے یا
نہیں۔“

”لے جا سکتے ہیں... لیکن ہر وقت ان پر نظر رکھنا
ہوگی... کیا خبر یہ پھر آپ پر حملہ کرنے کی کوشش کر گزریں۔“

”اچھی بات ہے۔“

پروفیسر احسان شوی تو چپے گئے... اب انہوں نے
پروفیسر ڈان کے نمبر ملائے... سلسلہ ملنے پر انہوں نے پہلے تو اپنا
تعارف کرایا پھر یو لے:

”ہمیں آپ سے ایک کام ہے۔“
”کام کی نوعیت بتائیں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا
... آواز بہت بھاری تھی۔

”ایک شخص پر پینا ٹرم کیا گیا ہے... آپ ذرا اسے
دیکھ لیں۔“

”ٹھیک ہے... آجائیں۔“

”مہربانی کر کے اپنا لکھوادیں۔“

”914.c بھاگراٹاؤن۔“ اس نے کہا۔

وہ اسی وقت بھاگراٹاؤن کی طرف روانہ ہو گئے
... اور جلد ہی 914.c کے سامنے اپنی کار سے اتر رہے
تھے... محمود نے گے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا تو ایک بارہ تیرہ
مال کا لڑکا باہر آیا... اس کی آنکھیں زرد تھیں... چہرہ بچہ بچہ
ماتھا۔

”ہمیں پروفیسر صاحب سے ملنا ہے... تھوڑی دیر

پہلے ہم نے ان سے فون پر بات کی تھی۔“

”جی ہاں! آپ آئیے۔“ اس نے ادب سے کہا۔

”آپ یہاں ملازمت کرتے ہیں۔“ فرزانہ پوچھتے

بغیر نہ رہ سکی۔

روپے سے کام کیسے چل سکتا ہے... کیا یہ بارہ سو روپے کے

”جی... جی ہاں۔“ اس نے قدرے حیران ہو کر کہا علاوہ بھی کچھ دیتے ہیں...“

”اس عمر میں... یہ تو آپ کے پڑھنے کے دن ہیں۔“

”میرے دادا وفات پا چکے ہیں... والدہ بیمار ہیں۔ سو روپے ملتے ہیں۔“

ان حالات میں اگر ملازمت نہیں کر دے گا تو ہم دو وقت کی رو

کیسے کھائیں گے۔“ آپ کو اچھی ملازمت دلوائیں گے... اور سکول میں داخلہ بھی

”آپ کا نام کیا ہے۔“ اسپیکر جمشید نے اس کی طرف دلوائیں گے۔“

”لال... لیکن... پروفیسر ڈان مجھے جانے نہیں دیں

”جی... میں... میرا نام ہاشم ہے۔“

”آپ کل اس پتے پر مجھ سے ملیں... ہم آپ کو رو کر جانے دیں گے۔“

کے لیے کچھ کریں گے... ویسے یہاں آپ کو کتنے پیسے ملے

”اچھا خیر...“ اس نے کہا اور انہیں ڈرائنگ روم

”بارہ سو روپے ماہوار۔“

”کیا!!! بارہ سو روپے ماہوار... بس۔“ ان کے منہ

سے مارے حیرت کے نکلا۔

”جی ہاں! بس۔“

”گو! آپ کو روز آنتیں روپے ملتے ہیں... بھلا تیں جائزہ لینے میں محو ہو گئے۔ ایسا عجیب و غریب ڈرائنگ روم وہ

زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے تھے... دروازے کے سامنے وہ... ”یہ کیا مشکل ہے... میں اس شہر کا سب سے ماہر چٹا دیوار پر یک بڑی سی صلیب نصب تھی۔ اس کے علاوہ بھی انٹرنٹ ہوں۔ میں اثر رائل نہیں کر سکوں گا تو اور کون کرے باقی تین دیواروں پر عجیب و غریب تصاویر نظر آئیں... وہ وہ... لیکن اصل مسئلہ ہے فیس کا... میری فیس ذرا زیادہ ہوتی درجے خوفناک سی تھیں... ہر تصویر کو دیکھ کر خوف محسوس ہوتا تھا ہے۔“

ان تصاویر میں جثات کی تصاویر تھیں۔

”کوئی بات نہیں... ہم فیس ادا کریں گے۔“

وہ بار بار ان تصاویر کو دیکھ رہے تھے اور ہر بار خوف

محسوس کر رہے تھے کہ دروازہ کھلا۔

”گڈ آفٹر نوں۔“ ایک بھاری بھر کم آدمی نے اند... جب میں اتنے پیسے تو لے کر آئے نہیں تھے:

داخل ہوتے ہوئے کہا... اس کے جسم پر سر سے پیر تک بالکل سیاہ... ”ہم منگا لیتے ہیں... آپ فکر نہ کریں اور معائنہ

لباس تھا... البتہ وہ خود سفید رنگ کا آدمی تھا... سیاہ لباس میں شروع کریں۔“

اس کا سفید چہرہ بہت خوفناک لگا... اس کے ہاتھوں پر دستا۔

”انہیں میرے ساتھ دوسرے کمرے میں جانا تھے... پیروں میں سیاہ جرابیں تھیں... سر پر ایک اونچا سا ہیلمٹ لگا...“

تھا... غرض اسے دیکھ کر بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔

”ہم میں سے کوئی ایک آدمی تو ساتھ چائے گا...“

”اس بچی کو ساتھ بھیج دیں۔“ اس نے فرزانہ کی طرف

”ہاں! اور یہ ہیں خان رحمان... ان پر کسی نے اشارہ کیا۔ سب سے چھوٹی وہی نظر آ رہی تھی نا... شاید اس لیے

نرم کر دیا ہے... آپ دیکھیں اور بتائیں... اثر رائل کرنا کہنے کے لیے اسے ساتھ لے جانے کی اجازت دی تھی۔

”ٹھیک ہے... فرزانہ تم اپنے انکل کو لے جاؤ۔“

ہیں یا نہیں...

”جی اچھا۔“

پھر فرزانہ نے انہیں بازو سے پکڑ لیا اور پروفیسر ڈاکٹر کے پیچھے انہیں لے چلی:

”مم... میں خوف محسوس کر رہا ہوں... قاروق... بالکل نارمل ہوں گے...“

گھبرا کر کہا۔

”فکر نہ کرو۔“

انسپکٹر جمشید نے کہا اور خود بھی کمرے سے

آئے... انہوں نے دیکھا، پروفیسر سامنے والے کمرے

داخل ہو رہا تھا... اس کے پیچھے ہی فرزانہ اور خان رحمان

ہو گئے... ساتھ ہی دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا... وہ

پاؤں آگے بڑھے اور تالے کے سوراخ سے آنکھ

دی... لیکن سوراخ بند تھا... اور وہ اس میں سے کچھ بھی

دیکھ سکتے تھے... اب انہوں نے قدرے بے چینی محسوس کی

وہ کر ہی کیا سکتے تھے... بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر

لگے... ساتھ ہی انہوں نے ایک فیصلہ کیا۔

آدھ گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا... فرزانہ روانہ ہوئے تھے... اور یہ کہ اس سے پہلے تمہارے گھر میں کیا

پروفیسر باہر نکل آئے۔ پروفیسر ڈاکٹر کے چہرے پر قافہ ہوا تھا۔“

مسکراہٹ تھی۔

”میں کامیاب رہا... آپ کے دوست پندرہ منٹ

تک نیند سے بیدار ہو جائیں گے... اس وقت وہ پہرے کی مانند

بالکل نارمل ہوں گے...“

”ٹھیک ہے پروفیسر صاحب... آپ کا شکریہ!“

”میری فیس آگئی؟“ اس نے پوچھا۔

”فون کیا جا چکا ہے... فیس کے آنے میں زیادہ دیر

نہیں لگے گی... آپ فکر نہ کریں۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

پھر اکرام رقم لے کر پہنچ گیا... وہ پروفیسر کو دے دی گئی

... پندرہ منٹ بعد خان رحمان ہوش میں آگئے اور خود ہی اٹھ کر

ان کے پاس چلے آئے:

”خان رحمان... خود کو کیسا محسوس کر رہے ہو۔“

”کیوں... مجھے کیا ہوا تھا اور یہ ہم کہاں ہیں۔“

”تو تمہیں کچھ یاد نہیں... کہ ہم گھر سے کہاں کے لیے

آدھ گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا... فرزانہ روانہ ہوئے تھے... اور یہ کہ اس سے پہلے تمہارے گھر میں کیا

پروفیسر باہر نکل آئے۔ پروفیسر ڈاکٹر کے چہرے پر قافہ ہوا تھا۔“

”نہیں... مجھے کچھ بھی معلوم نہیں... یہ... یہ لور صاحب ہیں۔“ انہوں نے پروفیسر ڈان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ... یہ پروفیسر ڈان ہیں... آؤ چلیں... کہ چل کر پوری تفصیل سنا دیں گے۔“

صین اس لمحے ایک شخص اندر داخل ہوا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا:

”پروفیسر ڈان... مریض نمبر 312 کی حالت بہت خراب ہے۔“

انسپکٹر جمشید کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا... لیکن ”نے والا اور پروفیسر ڈان اس جھٹکے کو نہ دیکھ سکا... البتہ ان کے ساتھیوں کو اس جھٹکے نے حیرت زدہ کر دیا۔“

قلم

کوٹھی سے باہر نکلتے ہی انسپکٹر جمشید نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے... اور سلسلہ ملتے ہی بولے

”اکرام! پتا نوٹ کر دو... 914 بھاگرا ناؤن... یہ کوٹھی ہے پروفیسر ڈان کی... اس شخص کے ہاں ایک ملازم ہے... اس کا حلیہ لکھ لو... لمبا قد، لمبوتر، چہرہ سرخ و سفید رنگ، نیلی آنکھیں... اتنا حلیہ کافی رہے گا...“

”جی ہاں! بہت۔“ اکرام فوراً بولا۔

”اس کی نگرانی پر دو آدمی فوری طور پر مقرر کر دو... ہم یہاں اس وقت ٹھہریں گے جب تک کہ تمہارے ماتحت نہیں آجائیں۔“

”او کے سر! آپ فکر نہ کریں۔“

”اور ہاں! دو آدمی پروفسر ڈان پر بھی مقرر کر دو۔۔۔“

یہ بھاری بھر کم سا آدمی ہے۔۔۔ انگریز ہے۔۔۔ اس کی آنکھیں بھی نیلی ہیں۔۔۔ البتہ چہرہ گول مثول ہے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔“

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔۔۔ اس وقت فرمانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا:

”ہاں! اب بتائیں۔۔۔ آپ کو حیرت کس بات پر ہوئی

تھی۔“

”تم نے ملازم کی آواز پر دھیان نہیں دیا۔۔۔ وہ

اگرچہ آواز بدل کر بول رہا تھا، ورنہ یہ بھی تبدیل کیا ہوا تھا۔۔۔

لیکن پھر بھی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ آدم ہے۔“

”تب پھر ہم نے اسے بدلے ہوئے حلیے میں وہاں

دیکھا ہو گا۔۔۔ یہاں وہ کیوں حلیہ تبدیل کرتا۔۔۔ یہاں تو وہ رہتا

ہے اور پروفسر ڈان کا یہ تو ملازم ہے۔۔۔ یا اس کا کوئی رشتے

دار۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”بالکل ٹھیک۔۔۔ اب یہ چکر سمجھ میں آنے لگا ہے۔۔۔ یہ

لوگ اس طرح دولت سمیٹ رہے ہیں۔۔۔“

”لیکن ابا جان۔۔۔ ان تین کا چکر تو پھر بھی سمجھ میں نہیں

آیا؟“

”ارے ہاں! اسے تو ہم بھول۔۔۔ ارے باپ

رے۔“ انسپکٹر جمشید بڑی طرح اچھل پڑے۔

”اب کیا ہوا ابا جان۔“ وہ گھبرا گئے۔

”پروفسر داؤد۔۔۔ انہیں تو ہم بھول ہی گئے۔۔۔ وہ بھی

تو کسی الجھن میں تھے۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔“

”آؤ چلیں۔“

”اور انہوں نے گاڑی کا رخ تجربہ گاہ کی طرف کر دیا

۔۔۔ گاڑی پوری رفتار پر چھوڑ دی:

تجربہ گاہ کے دروازے پر انہیں تالا نظر آیا۔۔۔ باہر

کوئی چہرے دار بھی نہیں تھا۔۔۔ نہ پولیس کے جوان نظر آئے۔۔۔

انہیں بہت حیرت ہوئی۔۔۔ انہوں نے موبائل پر رابطہ قائم کرنے

کی کوشش کی۔۔۔ لیکن موبائل بند تھے:

”اللہ اپنا رحم کرے۔۔۔ پے در پے پریشاں کن

... تمام ملازمین اور پولیس مینوں کو چھٹی دے دی ہے... اس لیے تجربہ گاہ کے دروازے پر تالا لگا دیا ہے... کوئی آکر پوچھے تو بتادیں۔“

”اور تفریحی مقام کا پتا بتایا انہوں نے۔“

”جی نہیں... میں نے پوچھا تھا... کہنے لگے... میں کسی کو بتا کر نہیں جا رہا... بس کچھ وقت اس طرح گزارنا چاہتا ہوں کہ کوئی روکنے والا نہ ہو... ٹوکنے والا نہ ہو... بس میں ہوں... میری بیٹی ہو... اور تجربہ گاہ کے اندرونی ملازم ہوں۔“

”گویا وہ اندرونی ملازمین کو ساتھ لے کر گئے ہیں۔“

”یہ تو مجھے معلوم نہیں... میں نے انہیں جاتے ہوئے

نہیں دیکھا... صرف وہ بات بتا رہا ہوں... جو انہوں نے بتائی تھی۔“

ان کے سرگھوم گے... آخر وہ تجربہ گاہ کے دروازے

پر آئے... اپنی چابی سے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئے...

انہوں نے گھوم پھر کر تجربہ گاہ کا اور رہائشی حصے کا جائزہ لیا...

کہیں کسی افراتفری اور گڑبگ کے آثار نہیں تھے۔

واقعات پیش آرہے ہیں... لگتا ہے، اس بار کا مجرم ہمارے ہاتھ لگا۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”اللہ مالک ہے۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

پھر انسپکٹر جمشید تجربہ گاہ کے نزدیک واقع ایک کوشی کی طرف بڑھ گئے... یہ کوشی تجربہ گاہ سے کافی دور تھی... لیکن تجربہ گاہ کے دروازے سے نظر آتی تھی... محمود نے دستک دی تو ایک ادھیڑ عمر شخص باہر نکلا، اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا:

”آپ پروفیسر داؤد صاحب سے تو واقف ہوں

گئے۔“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے... وہ میرے بہت

اچھے پڑوسی ہیں۔“

”تجربہ گاہ کے دروازے پر تالا نظر آرہا ہے اور ایہ

زندگی میں پہلی بار دیکھنے میں آرہا ہے... کیا آپ کچھ بتا سکتے

ہیں۔“

”ہاں! کیوں نہیں... چند گھنٹے پہلے میرے پاس آئے

تھے... انہوں نے بتایا تھا کہ ایک تفریحی مقام پر جا رہے تھے۔“

”یہاں تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔“

”لیکن بھئی ... کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہے ... بڑ

باریک بینی سے جائزہ دینا ہوگا۔“ وہ بولے۔

انہوں نے غور سے ایک ایک کمرے اور ایک ایک چیز دیکھا، پروفیسر داؤد اور شائستہ کے سونے کے کمرے میں انیئر میز پر تین گلاس نظر آئے ... تیسرا گلاس دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی ... تینوں گلاسوں کے پینے میں پینے کی کوئی چیز بہت معمولی مقدار میں بچی ہوئی تھی:

”تیسرے گلاس کا مطلب ہے ... کوئی ان سے ملنے

کے لیے آیا تھا۔“

”جی ہاں بالکل یہی بات ہے ... ورنہ پروفیسر انگل

اور شائستہ اس قدر با اصول ہیں کہ میز پر اس طرح کوئی گلاس نہیں چھوڑ سکتے ... دو آدمیوں کے لیے تین گلاس آئی نہیں سکتے تھے ...“ قرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”دوسری بات ... دونوں چائے اور کافی پینے کے

عدہ کوئی چیز پینا پسند نہیں کرتے ... جب کہ ان گلاسوں میں کوئی

اور چیز ہے ...“

”خیر ہم اس کا تجربہ کر لیتے ہیں ... دوسری بات

تیسرے گلاس پر انگلیوں کے نشانات بھی ہو سکتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک۔“ ان کے بچے میں جوش آ گیا۔

اب انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے ... سلسلہ ملتے

ہی وہ بولے:

”اکرام ... تم ذرا اپنے ماتحتوں اور منکر پرنٹ سیکشن

کے ساتھ بلکہ اپنے ریکارڈ کے ساتھ فوری طور پر تجربہ گاہ

آ جاؤ ... پروفیسر صاحب سب لوگوں کے سمیت غائب ہیں۔“

”ارے باپ رے۔“

جلد ہی اکرام سب لوگوں کے ساتھ پہنچ گیا ... سب

سے پہلے گلاسوں پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے ...

اکرام نے فوراً کہہ دیا:

”تیسرے گلاس پر اس شخص کے نشانات موجود ہیں۔“

”اب ذرا جلدی سے ریکارڈ میں ان نشانات کو چیک

کر لو۔“

”جی ابھی لیجیے۔“

اکرام اور اس کے ماتحت اس کام میں مصروف ہو

لی ن سکت باقیں انشارجہ تحریری طور پر منواتا ہے۔“
 ”آف مالک... خیر... ہم نہیں جھیل جا رہے ہیں۔“
 ”اس کی حدود میں جانے والوں کو بے دھڑک گولی مار
 دی جاتی ہے۔“
 ”کیا کہا۔“ وہ چلائے۔

”حدود سے باہر ایک بورڈ نصب ہے... ہماری
 حکومت کی طرف سے ہے... اس پر لکھا ہے... یہ ممنوعہ علاقہ
 ہے... لہذا داخل ہونے والے کو گولی مار دی جائے گی... اور
 اس سلسلے میں کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتے گی...“
 ”اوہ اچھا خیر... ہم دیکھیں گے کہ اس عمارت میں
 اس طرح داخل ہو سکتے ہیں۔“

”ایسا کرنا خطرناک ہو سکتا ہے سر۔“ اکرام نے
 نشان ہو کر کہا۔

”لیکن بھی... پروفیسر داؤد غائب ہیں... اور اس
 قوا کا سلسلہ اس عمارت تک چلا گیا ہے... میرا مطلب ہے
 نیا ک تک چلا گیا ہے... اور وہ بین الاقوامی جاسوس ہے...
 اس پر بھی ہمارے ملک میں ہماری حکومت کی مرضی سے رہتا

گئے۔ آخر پندرہ منٹ بعد اکرام ان کی طرف آیا... اس کے
 چہرے پر فکر مندی کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔
 ”گلتا ہے... تمہارے پاس کوئی پریشان کن خبر
 ہے۔“

”جی ہاں... پروفیسر صاحب کو شک کیا تک نے
 اغوا کیا ہے۔“

”شک کیا تک...“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
 ”جی ہاں... ایک بین الاقوامی جاسوس... لیکن عام
 طور پر یہ انشارجہ کے لیے کام کرتا ہے...“

”اور ہمارے ملک میں اس کا ٹھکانا کہاں ہے۔“
 ”نہی جھیل کے کنارے ایک بہت بڑا بندہ ہے... یہ
 ہمیشہ وہاں ٹھہرتا ہے... لیکن ہم اسے چیک نہیں کر سکتے
 ... کیونکہ اس کے پاس انشارجہ کے صدر کی طرف سے بہت
 خاص ہدایات ہیں... اور ہماری حکومت ان ہدایات کو ماننے کی
 پابند ہے۔“

”پابند کیسے ہے۔“
 ”جب حکومت انشارجہ سے قرض لیتی ہے... تو اس قسم

ہے... کیا یہ بات خوفناک نہیں۔“ انیکٹر جمشید نے غصیلے میں کہا۔

”بے شک ہے... لیکن ہمیں بہت احتیاط سے کام ہوگا۔“

”تم فکر نہ کرو... اور ہاں ان تین کی کیا رپورٹ ہے۔“

”وہ ہوٹل امبراسے غائب ہیں... مجھے افسوس ہے۔ یہ کیا بات ہوئی... ان کی تو سادہ لباس والے گھر کر رہے تھے۔“

”جی ہاں! لیکن انہوں نے ان تینوں کو کمرے سے نہیں دیکھا۔“

”تب پھر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ غائب ہیں۔“

”اس طرح کہ ان کے کمرے کا دروازہ مستقل طور پر بند رہا ہے... کسی ضرورت کے تحت بھی دروازہ نہیں کھولا گیا۔“

... جب کہ ایسا ہونا ممکن نہیں... اس لیے... ہمارے ساتھیوں نے ہوٹل کی انتظامیہ سے رابطہ قائم کیا... انہوں نے دروازہ کھولا تو وہ تینوں اندر نہیں تھے... اب ظاہر ہے، اگر وہ غائب ہدایات دینے لگا۔

ہیں تو کمرے کے راستے ہی گئے ہیں... لیکن سادہ لباس والے انہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکے... جب کہ ان کا کہنا ہے کہ ایک لمحے کے لیے بھی انہوں نے دروازے پر سے نظر نہیں ہٹائی... یعنی ایک وقت میں ان میں سے ایک تو ضرور ہی دروازے پر نظر جمائے رہا ہے... اور اس دروازے کے علاوہ باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ ہم دیکھ نہیں رہے... خود ہوٹل کی انتظامیہ بھی اس واقعے پر حیرت زدہ ہے۔“

”ہوں... خیر... وہ تین ہیں... اگرچہ خود کو ایک ظاہر کرتے ہیں... یہاں رہتے ہوئے آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ تو کھایا پیا ہے... میزوں اور کرسیوں کو ہاتھ لگائے ہیں... اس لیے تم اس کمرے سے ان کی انگلیوں کے نشانات لے لو... ہمارے کام آئیں گے۔“

”بہت بہتر سر۔“

”اور پروفیسر ڈان کی کوشی پر مقرر ساتھیوں نے ابھی تک کوئی اطلاع دی یا نہیں۔“

”جی نہیں۔“ اس نے کہا اور پھر اپنے ماتحتوں کو

دھروہ اپنے طور پر کمرے کا جائزہ لینے لگے۔ یہ ایک ڈبل کمرہ تھا...

”یہ لوگ جب یہاں ٹھہرنے کے لیے آئے تھے... تو کیا ان کے پاس سامان وغیرہ تھا؟“ انہوں نے ہوٹل کے ملازم سے پوچھا۔

”جی ہاں! ایک سوٹ کیس تھا...“

”اور ہم دیکھ رہے ہیں... وہ سوٹ کیس کمرے میں موجود ہے... گویا جاتے ہوئے وہ سوٹ کیس یہیں چھوڑ گئے ہیں... سے کھول کر دیکھنا چاہیے۔“

”اور ایب کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔“ فرزانہ نے فوراً کہا۔

”اوہ ہاں... اس طرح تو بند حالت میں بھی یہ خطرناک ہو سکتا ہے... فوراً باہر نکل آئیں... پہلے اس سوٹ کیس کو چیک کرالینا چاہیے۔“

وہ گھبرا گئے... سب کے سب باہر نکل آئے... اگر اہل کے ماتحت بھی انگلیوں کے نشانات کو بھول کر باہر آ گئے... پھر ہوٹل کی طرف سے دو ماہر وہاں آئے... انہوں نے اپنے

آلات کی مدد سے سوٹ کیس کو چیک کیا... پھر یو لے

”اس میں کوئی خطرناک چیز نہیں ہے۔“

”اچھی بات ہے... اسے کھول ڈالو بھی۔“

ہوٹل کے ملازمین نے اب بھی ڈرے ڈرے انداز میں

سوٹ کیس کھول ڈالا۔ اس میں کپڑے بھرے ہوئے تھے...

کپڑوں کو الٹ پلٹ کر اور باہر نکال کر دیکھا گیا... کپڑوں

کے نیچے انہیں ایک وڈیو کیمرہ نظر آیا... انہوں نے اس پر سے

محفوظات اٹھا لیے... پھر اسے آن کر کے دیکھا... لی گئی کوئی

قلم اس میں محفوظ تھی... انہوں نے کیمرہ اپنے قبضے میں کر لیا:

”اس قلم کو ہم گھر چل کر دیکھیں گے۔“

”تب پھر چلیے... پہلے گھر ہی چلتے ہیں...“ فاروق

نے بے چینی ظاہر کی۔

وہ مسکرا دیے اور پھر اکرام کو ہدایات دیتے ہوئے

ہوٹل امبرا سے نکل آئے... گھر پہنچتے ہی انہوں نے لائبریری کا

رخ کیا... بیگم جمشید نے حلقہ کر کہا:

”یہ کیا... آخر کھانا کب کھایا جائے گا۔“

”پہلے ہم ایک قلم دیکھیں گے... اس کے بعد کھانا

کھائیں گے۔“ انسپکٹر جمشید بھر پور انداز میں مسکرائے۔

”حد ہوگئی ... ہے کوئی تک ... اب آپ فلمیں بھی دیکھنے لگے ہیں۔“

”ہاں بیگم ... مجبوری ہے۔“

”بھلا اس میں مجبوری کہاں سے پک پڑی۔“

”ای جان مجبوری کا کیا ہے ... وہ تو کہیں سے بھی پک پڑ سکتی ہے۔“ فاروق بول اٹھا۔

”حد ہوگئی ... تو بہ ہے تم سے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے

پاؤں پٹھے اور باورچی خانے میں چلی گئیں ... وہ مسکرا دیے ...

اب انہوں نے قسم لگائی ... اور سکرین پر نظریں جمادیں ...

پھر جونہی فلم شروع ہوئی ... اور پہلا منظر انہوں نے ذریعہ تھیں ... اس کا قد لہبا تھا ... چہرہ بالکل گول تھا ... اسی

دیکھ ... پانچوں بہت زور سے اچھلے ... ان کی آنکھوں میں رح آنکھیں بھی گول تھیں ... اسے دیکھ کر انا یاد

خوف سا گیا:

”نا تھا ... البتہ جسم پر لباس بہت قیمتی تھا ... اگلیوں میں شاید

بروں کی انگوٹھیاں تھیں:

”تشریف لائیے۔“ شوکی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے

کہا۔

وہ اندر آ گیا تو اس نے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود

یہ کیا؟“

”کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“

وہ چونک اٹھے۔ دروازے کی طرف دیکھا تو ایک

عجیب و غریب سا آدمی کھڑا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں

پھر جونہی فلم شروع ہوئی ... اور پہلا منظر انہوں نے ذریعہ تھیں ... اس کا قد لہبا تھا ... چہرہ بالکل گول تھا ... اسی

دیکھ ... پانچوں بہت زور سے اچھلے ... ان کی آنکھوں میں رح آنکھیں بھی گول تھیں ... اسے دیکھ کر انا یاد

خوف سا گیا:

”نا تھا ... البتہ جسم پر لباس بہت قیمتی تھا ... اگلیوں میں شاید

بروں کی انگوٹھیاں تھیں:

”تشریف لائیے۔“ شوکی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے

کہا۔

وہ اندر آ گیا تو اس نے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود

بھی بیٹھتے ہوئے بولا

”آپ کی تعریف۔“

”جی بس! اب میں اپنی کیا تعریف کروں۔“ اس

بوکھلا کر کہا۔

”میرا مطلب ہے... آپ کا نام؟“

”اوہ اچھا... تو آپ نے میرا نام پوچھا ہے..“

”سب... میں جاوید ساہو ہوں۔“

”جاوید ساہو؟“ شوکی سوالیہ انداز میں بولا۔

”جی ہاں! یہی میرا نام ہے... ساہو طر کا...

ہوں۔“

”اوہو اچھا۔“ شوکی کے منہ سے مارے حیرت۔

نکلا۔

”خیر... فرمائیے... ہم آپ کی کیا خدمت کریں

ہیں۔“

”مجھے ایک فون موصول ہوا ہے... فون کرنے وا۔“

نے صاف ستھرے الفاظ میں کہا ہے کہ اس ماہ کی تین تاریخ رات کے ٹھیک تین بجے آپ کو قتل کر دیا جائے گا... اور مزے

بات یہ کہ مہینا بھی تیسرا ہے۔“

”مطلب یہ کہ تیسرے مہینے کی، تین تاریخ کو تین

بجے۔“ شوکی بولا۔

”ہاں!“

”اور فون کرنے والے نے کیا کہا۔“

”اور بس! اس نے فون بند کر دیا۔“

”تب تو یہ کسی کا مذاق ہی ہوگا... آخر کسی کو کیا

ضرورت ہے آپ کو قتل کرنے کی۔“

”یہ تو خیر آپ نہ کہیں۔“ جاوید ساہو نے فوراً کہا۔

”چلیے... نہیں کہتا میں یہ... لیکن آپ کیا کہنا چاہتے

ہیں۔“

”میرے بہت سے دشمن ہیں... ان میں سے کوئی بھی

اس قسم کی دھمکی دے سکتا ہے۔“

”بہت سے دشمن... کیا مطلب؟“

”میری کپڑے کی مل ہے... اور میری مل کا کپڑا بہت

مشہور ہے، مارکیٹ میں اس کی اتنی مانگ ہے کہ دوسری ملوں

والے پریشان رہتے ہیں... یعنی کسی مل کا، لک میرے قتل کی

خواہش محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں ایک سیاسی پارٹی کا بھی اہم ورکر ہوں... اور اس پارٹی کے لیے بہت کام کرتا ہوں۔ سٹی مالی مدد بھی بہت کرتا ہوں... اس کے بدلے میں وہ مجھے نیکشن لڑواتے ہیں... اس طرح میں خواہشیں کام بھی ہوں... لہذا کوئی سیاست دان بھی مجھے ہدایت کرنے کی خواہش کر سکتا ہے۔“

”ہوں... ہم سمجھ گئے... یہ فون آنے پر آپ نے پوچھیں سے کیوں رابطہ نہیں کیا۔“

”میں نے رابطہ کیا ہے... انہوں نے رپورٹ درج کرنی ہے... لیکن ظاہر ہے... ایک مکتوم فون پر وہ کون کارروائی کر نہیں سکتے۔“

”اور آپ کے خیال میں ہم ایک فون کال پر کیا کر سکتے ہیں۔“ آفتاب نے منہ مایا۔

”مجھے میرے ایک دوست نے آپ کے پاس آنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے...“

”آپ کے دوست کا نام۔“

”وکیل، کبیر، ٹھور۔“

”ارے! یہ تو ہمارے انکل ہیں۔“

”اور میرے یہ وکیل ہیں۔ میں نے اس فون کا ذکر ان سے کیا تو انہوں نے مجھے سب لوگوں سے ملنے کا مشورہ دے ڈالا۔“

”اب تو ہمیں آپ کے کیس پر کام کرنا ہوگا...“ شوکی نے جلدی سے کہا۔

”اور میں آپ کی فیس ایڈوانس ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

”خیر اس کی تو...“

شوکی کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت اندرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی... وہ سمجھ گئے... دستک ان کی زبان پر نہ آئی تھی... ایسے موقعوں پر وہ دروازے سے آکر لگ جاتی تھیں

”جی امی جان!“ میں نے دروازے پر جا کر کہا۔

”خبردار شوکی... ایڈوانس فیس لینے سے انکار کیا تو... جانتے نہیں... ان دنوں ہمارے ماں حالت کس قدر خراب

ہے۔“

”اودہ ہاں... اچھ۔“ میں نے دبی آواز میں کہا...
آواز تو خیر س کی والدہ کی بھی بچی ہی تھی... اور ملاقاتی کے
کانوں تک نہیں پہنچی ہوگی۔“

پھر شوکی اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا
”ہاں تو ہم کیا بات کر رہے تھے۔“ اس نے سرسری
انداز میں کہا۔

”یڈوانس فیس کی بات ہو رہی تھی... فیس کی ادائیگی
میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں... آپ فی ایل یہ 50 ہزار رکھ لیں
... بقیہ بعد میں ادا کر دوں گا۔“

”جی! کیا کہا... پپ... پچاس ہزار روپے ایڈوانس
؟“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”ہاں! کیوں... کیا یہ کم ہیں... خیر ایک لاکھ
ایڈوانس لے میں۔“

”نہیں نہیں... میرا یہ... میں نے گھبراہٹ کے عالم
میں کہنا چاہا... لیکن عین اسی لمحے زوردار انداز میں اندرونی
دروازے پر دستک ہوئی۔

”معاف کیجیے گا۔“

یہ کہہ کر شوکی دروازے پر چلا آیا اور دبی آواز میں

بولی:

”جی انی جان! فرمائیے۔“

”پاگل نہ بنو... گھر آئی دولت کو ٹھکرایا نہیں کرتے

... ایک لاکھ ایڈوانس لے لو... جب ان کے پاس بے تحاشہ
دست ہے تو اس میں سے ہمارا حصہ بھی نکلتا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے انی جان۔ آپ فکر نہ کریں۔“

یہ کہہ کر شوکی پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا...
”آپ ایسا کریں... یہ ایڈوانس بہت زیادہ

ہے... بس دس ہزار دے دیں... کیونکہ یہ کوئی لمبا چوڑا کام
نہیں ہے... ہمیں بس حملہ آور کا سراغ لگانا ہے... اس سے
پہلے کہ وہ حملہ کرے۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“ جاوید ساہو نے جلدی سے

کہا۔

”بس تو پھر یہ کون سا بڑا کام ہے... ہم آسانی سے

فون کرنے والے کا سراغ لگا کر آپ کو بتا دیں گے اور ہمارا کام

ہے۔“

”اوہ ہاں... چھا۔“ میں نے دلی آواز میں کہا...
آؤ تو خیر اس کی والدہ کی بھی نیچی ہی تھی... اور ملاقاتی کے بولا
کانوں تک نہیں پہنچی ہوگی۔“

پھر شوکی اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

”ہاں تو ہم کیا بات کر رہے تھے۔“ اس نے سر سر
ند زمیں کہا۔

”یڈوائس فیس کی بات ہو رہی تھی... فیس کی ادائیگی
میرے بے کوئی مسئلہ نہیں... آپ فی الحال یہ 50 ہزار رکھ لیں
... بقیہ بعد میں ادا کر دوں گا۔“

”جی! کیا کہا... پپ... پچاس ہزار روپے ایڈوائس
؟“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”ہاں! کیوں... کیا یہ کم ہیں... خیر ایک لاکھ
ایڈوائس لے لیں۔“

”نہیں نہیں... میرا یہ... میں نے گھبراہٹ کے عالم
میں کہنا چاہا... لیکن عین اسی لمحے زوردار انداز میں اندرونی
دروازے پر دستک ہوئی۔

”معاف کیجیے گا۔“

یہ کہہ کر شوکی دروازے پر چلا آیا اور دہلی آواز میں

”جی! جی جان! فرمائیے۔“

”پاگل نہ ہو... گھر آئی دوست کو ٹھکرا یہ نہیں کرتے

... ایک لاکھ ایڈوائس لے لو... جب ان کے پاس بے تحاشہ
دلت ہے تو اس میں سے ہمارا حصہ بھی لگنا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے! جی جان۔ آپ فکر نہ کریں۔“

یہ کہہ کر شوکی پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا...

”آپ ایسا کریں... یہ ایڈوائس بہت زیادہ

ہے... بس دس ہزار روپے دیں... کیونکہ یہ کوئی لمبا چوڑا کام
نہیں ہے... ہمیں بس حملہ آور کا سراغ لگانا ہے... اس سے
پہلے کہ وہ حملہ کرے۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“ جاوید ساہو نے جلدی سے

کہا۔

”بس تو پھر یہ کون سا بڑا کام ہے... ہم آسانی سے
فون کرنے والے کا سراغ لگا کر آپ کو بتا دیں گے اور پھر کام

ختم۔ اس کے بعد تو پولیس کا کام شروع ہو گا۔“

”ہاں! ٹھیک ہے... بالکل ٹھیک... خیر یہ لیں اس ہزار روپے۔“ اس سے منہ بنایا... گویا دس ہزار روپے دیے سے ناگوں گزرا تھا... میں نے نوٹ گئے اور جیب میں رکھ دیے۔

”تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟“ اس نے بے چینی سے عالم میں کہا۔

”آپ چلیں... ہم تھوڑی دیر تک آپ کے ہاں آئیں گے... جائزہ میں.. آپ سے چند سارے بات کریں گے اور بس۔“

”ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ ٹھہر کر دفتر سے نکل آیا... اس وقت ہم نے دیکھا... دفتر سے قدرے فاصلے پر فٹ پاتھ سے لگا کر اس نے اپنی کار بھڑی کر رکھی تھی... پہلے ہم اس کار کو نہیں دیکھ سکے تھے... چونکہ اس کی کار سنارٹ ہوئی، اندرون دروازہ زوردار آواز سے ہل گیا... انہوں نے دیکھا... ان کی والدہ کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں

”یہ کیا کیا ہے وقوف... وہ ایک ساکھ دے رہا تھا۔“

اور تم نے کتنے لیے... صرف دس ہزار... ہے کوئی تک...“

”اُمی جان! یہ کوئی اور چکر ہے... ہم اس شخص کے جال میں نہیں پھنسنا چاہتے... اس سے بڑی رقم نہیں لی... ابھی ہم تیل دیکھیں گے تیل کی دھار دیکھیں گے... پھر معاوضہ ملے کریں گے... یہ دس ہزار تو اس بات کے لیے ہیں کہ ہم اس کے گھر معائنہ کریں گے...“

”تک... کیا واقعی؟“ ان کی آنکھوں کی سرخی قدرے کم ہو گئی۔

”ہاں اُمی جان... اور کیا... یہ ہمارے خلاف کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے... ہم دس ہزار جیب میں ڈال کر جائیں گے... کوئی گڑبڑ محسوس ہوئی تو دس ہزار آسانی سے واپس کر لیں گے... جب کہ ایک ساکھ روپے واپس کرنا آسان نہ ہوتا۔“

”شوکی تم نے بالکل ٹھیک کیا...“ ان کے والد نے جلدی سے کہا۔

”اچھا خیر... لیکن تم ہاتھ آئی دولت کو واپس نہیں کرو

گئے۔“ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

”اب اگر کوئی ضرورت سے زیادہ معاوضہ دے تو وہ ہم کیسے لے لیں... روزی تو حلاں ہی اچھی ہوتی ہے۔“ شوکی مسکریا۔

”یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگم... آؤ اندر چلیں۔“ اتا جان نے کہا اور انہیں کندھوں سے پکڑ کر اندر کی طرف موڑ دیا۔

”آؤ چلیں۔“ شوکی بولا۔

”تو اس کے ساتھ گاڑی میں چلے جاتے...“ آفتاب نے منہ بتایا۔

”نہیں... راستے میں ہم اس سلسلے میں بات کرتے جائیں گے... جس قدر سیدھا سادہ یہ معاملہ نظر آتا ہے... اتنا سیدھا ہے نہیں... اس میں ضرور کوئی کھما پھراؤ ہے۔“ شوکی نے فکر منہ ہو کر کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے... آپ تو کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آ رہے ہیں۔“

”ہاں! مجبوری ہے۔“ شوکی نے منہ بتایا پھر بولا۔

”ایک گنا م فون پر کوئی بھی اس طرح رقم خرچ نہیں کرتا... پہلا کام یہ کیا جاتے ہے کہ پولیس کو اطلاع دی جاتی ہے... اور اپنے گن مین مقرر کر لیے جاتے ہیں... جب کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے... پولیس کو اطلاع دینے کے بعد سیدھا ہمارے پاس چلا آیا... آخر کیوں...“

”اس کی طرف جارہے ہیں... پوچھ لیں گے۔“ اور پھر وہ جاوید ساہوکی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر جیکسی سے اترے۔ شوکی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی... جلد ہی ایک ادیب عمر آدمی نے دروازہ کھولا... اس کے جسم پر قیمتی لباس تھا... گویا باہر آنے والا ملازم نہیں تھا... اس نے ان چاروں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر بولا:

”فرمائیے... کیا چاہتے ہیں۔“

”ہمیں جاوید ساہو صاحب سے ملنا ہے۔“

”آپ درست جگہ پہنچے۔“ اس نے کہا۔

”تو پھر مہربانی فرما کر انہیں اطلاع دے دیں... شوکی ہمارے آتے ہیں۔“

”اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔“ وہ بھرپور انداز

میں مسکرایا۔

”جی... وہ کون... یہ آپ نے کیا کہا۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”مطلب یہ کہ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔“

”تو پھر آپ کے خیال میں حیران ہونے والی بات کون سی ہے؟“ آفتاب نے درزیادہ حیران ہو کر پوچھا۔

”دیکھیے نا... آپ نے وردوارے کی تختی بھائی..

میں ماہر لکھا... آپ نے مجھ سے کہا ہمیں جاوید سہا ہو سکتا ہے۔

سے... لہذا انہیں اطلاع دے دیں.. اب آپ کہہ رہے ہیں۔

... اس میں اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے.. اور ہم کہہ رہے ہیں یہ بات کیا ہوئی۔“

”یہ بات اس طرح ہوئی کہ میں ہی جاوید سہا ہو رہا ہوں۔“

”کیا انہیں...“

”اس لیے کہ ہم سے کچھ ہی دیر پہلے ایک صاحب ملنے کے لیے آئے تھے... انہوں نے اپنا نام جاوید سہا بتایا تھا۔“

”کیا...“ مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

”ہاں جیاب! اور اچھا بتا بھی یہ بتایا تھا۔“

”نہن... نہیں۔“ اس نے کہا۔

☆☆☆☆☆

واردات

چند لمحے وہ اسے پکٹی پکٹی آنکھوں سے دیکھتے

رہے۔ آخر شوکی نے کہا:

”کیا کہا آپ سے... آپ جاوید سہا ہو ہیں۔“

”ہاں، نقل ہوں... آپ کو اس پر حیرت کون

اس نے بھڑک کر کہا۔

”اس لیے کہ ہم سے کچھ ہی دیر پہلے ایک صاحب ملنے

کے لیے آئے تھے... انہوں نے اپنا نام جاوید سہا بتایا تھا۔“

”کیا...“ مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

”ہاں جیاب! اور اچھا بتا بھی یہ بتایا تھا۔“

”نہن... نہیں۔“ اس نے کہا۔

ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا۔

”یہ اچھی بات ہے... اب اس شخص کے بارے میں بتائیں۔“

”کیا آپ ساہوکر کے مالک ہیں۔“

”ہاں اللہ کی مہربانی سے۔“

”اس نے یہ بھی بتایا تھا... یعنی کہا تھا کہ وہ ساہوکر کا مالک ہے۔“

”ارے باپ رے... جاوید ساہوکر کھلا اٹھا۔“

”کیوں! کیا ہوا...“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”ساہوکر کا مالک میں ہوں۔“

”اوہ اچھا... یہ تو بہت عجیب بات ہوگئی اور وہ شخص

آپ کے پاس آیا کیوں تھا۔“

”اس نے بتایا تھا کہ اسے ایک گناہ فون آیا ہے...“

فون کرنے والے نے کہا ہے کہ اسے اس ماہ کی تین تاریخ کو

رات کے ٹھیک تین بجے قتل کر دیا جائے گا... مطلب یہ کہ مہینہ

بھی تیرا... یعنی مارچ کا اور کل تین تاریخ ہے۔“

”نہیں۔“ وہ چلا اٹھا... اس کی آنکھوں میں خوف

”وہ ہم سے ایک کام لینا چاہتے تھے... اس کام کے

لیے انہوں نے ہمیں ایڈوانس رقم بھی دی تھی... ہم نے ان سے

وعدہ کیا تھا کہ وہ گھر پہنچیں... ان کے پیچھے ہی ہم پہنچے

ہیں... اب ہم یہاں آئے ہیں تو اس گھر سے وہ تو نکلے ہی ہیں

... بتائیں... ہمیں اس پر حیران ہونا چاہیے یا نہیں۔“

”ہوں... صرف آپ ہی کو نہیں... مجھے بھی حیران ہو

نا چاہیے۔“

”اب ہم آپ کو یہ بھی بتا دیں... کہ وہ ہمارے پاس

کیوں آئے تھے... کیونکہ اس معاملے میں بہر حال آپ کا بھی

کوئی نہ کوئی تعلق ضرور لٹکے گا... آپ کا نام جو اس نے استعمال

کیا ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں... یہ ضرور میرے خلاف کوئی

چکر ہے۔“

”تو کیوں نہ ہم بیٹھ کر بات کر لیں۔“

”ضرور... کیوں نہیں... میں ڈرائنگ روم

دروازہ کھولتا ہوں۔“

اور پھر وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے... انہوں نے

سماعیہ۔

”ہاں! آپ کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہے۔۔۔ کیونکہ وہ شخص تو جاوید سا ہوتا ہی نہیں... جاوید سا ہو تو آپ پر... گویا وہ یہ پیغام دینے آیا تھا... ورنہ ہم نے اس کا پیغام آپ تک پہنچا دیا... اب اس میں سمجھ میں نہ آنے والی بات یہ ہے کہ اس نے ہمیں ایڈوائس رقم کیوں دی... صرف اتنی سی بات کے لیے کہ ہم اس کے اس معاملے کو دیکھیں...“

”میں... میں حد درجے خوف محسوس کر رہا ہوں... سوال یہ ہے کہ اب میں کیا کروں۔“

”آپ پولیس سے رابطہ کر لیں۔“

”سوال یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس کیوں آیا تھا۔“

”ہم پرائیویٹ جاسوس ہیں... اس قسم کے معاملات کے لیے لوگ ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔“

”تب پھر میرے لیے بھی آپ اس معاملے کو دیکھ لیں۔“

”وہ تو خیر ہم کر لیں گے... لیکن... پولیس سے تو آپ کو رابطہ کرنا ہی ہوگا... ان کے علم میں یہ بات آجانی

چاہیے۔“

”اچھی بات ہے... میں ابھی انسپکٹر شاہ کو فون کرتا ہوں... وہ یوں بھی میرے دوست ہیں۔“

”یہ اور اچھی بات ہے... آپ اندر آ جائیں۔“

وہ نہیں ڈرنگ روم میں لے آیا... اب اس کے در پر نمبر ڈال کے اور سلسلہ طے پر پولا:

”انسپکٹر شاہ کمرہ حب... جاوید سا ہو پولا رہا ہوں... ایک بہت ہی عجیب و غریب اور پریشان کن معاملہ پیش آیا ہے... ۲۰۰۰... مہربانی فرما کر آپ فوراً آنے کی کوشش کریں۔“

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے ریسیور رکھ دیا... اور ان سے بولا

”انسپکٹر شاہ کمرہ حب میں ہیں۔“

”بس ٹھیک ہے... ہم ان کا انتظار کر لیتے ہیں۔“

”اس شخص کا حلیہ کیا تھا؟“ جاوید سا ہونے کے کچھ خیال

نے پر کہا۔

”وہ درمیانے قد کا گول مول سا آدمی تھا۔“

وہ سوچ میں ڈوب گیا... شاید سوچ رہا تھا کہ اس بڑے کس شخص کو وہ جانتا ہے... پھر کافی دیر گزر گئی... دروازے کی گھنٹی بجی... وہ فوراً اٹھا اور باہر نکل گیا... لوٹا تو اس کے ساتھ ایک پولیس آفیسر تھے...
 ”مجھے انسپکٹر شاہر کہتے ہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”اور ہم شوکی برادرز ہیں۔“

”آپ کا ذکر سنتا رہتا ہوں... جاوید ساہو میرے بہت اچھے دوست ہیں... اب بتائیے... کیا معاملہ ہے۔“
 شوکی نے تفصیل سنا دی... وہ بغور سنتے رہے...
 ”کے خاموش ہونے پر پوچھے:“
 ”مصورہ حال سنسنی خیز ہے... میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔“

”بس تو پھر آپ ان کی حفاظت کے انتظامات کریں۔“
 ”وہ تو جو مجھ سے ہو سکے گا، کروں گا... آپ کا ذکر کیا کہتا ہے۔“

”اس پر اسرار شخص کا آنا بلا وجہ نہیں... اس نے ہمیں دس ہزار روپے بطور فیس بھی ادا کیے ہیں... جاوید ساہو صاحب

فیس ادا کرتے تو بات سمجھ میں آ سکتی تھی... لیکن اس نے کیوں دس ہزار اپنے ضائع کیے... یہاں تک ہمیں بھیجنا تھا اور جاوید ساہو صاحب کو یہ خبر نہ تھی... تو یہ کام تو ہم بغیر ایڈوائس فیس کے بھی کر سکتے تھے۔“

”یہ باتیں بہت عجیب ہیں... پریشان کن ہیں... لیکن سمجھ میں نہ آنے والی ہیں...“ انسپکٹر شاہر بے چارگی کے عام میں پوچھے۔

”تب پھر ہم اس کیس پر مل کر کام کریں گے... کل رات کی تین تاریخ ہے... رات کے تین... ارے...“
 شوکی کہتے کہتے رک گیا... اسے ایک اور خوفناک خیال آیا تھا۔
 ”اب کی ہوا؟“ جاوید ساہو نے گھبرا کر کہا۔

”تاریخ تو رات کے بارہ بجے بدل جاتی ہے... آج رات بارہ بجے کے بعد تین رات شروع ہو جائے گی... گویا وہ رات آج ہی کی رات ہے۔“

”کیا!!!“ جاوید ساہو چلا اٹھا۔
 ”بالکل سچی بات ہے... اس نے گویا آج کی رات شوکی کی نشان دہی کی ہے۔“

”میں خود یہاں موجود رہوں گا... چھ سات کاشتیکر بھی مقرر کر دیتا ہوں... آپ لوگ بھی یہیں رہیں گے... آپ کو دس ہزار تو مل ہی چکے ہیں... وہ آپ ہی رکھ لیں... باقی جاوید سہو بھی غریب آدمی نہیں ہیں... یہ بھی آپ کو معاوضہ دیں گے۔“

”لیکن۔“ شوکی نے کہا۔

”لیکن کیا؟“

”یہ معاملہ کیا ایک رات کے بعد ختم ہو جائے گا۔“

”اوہ ہاں ایہ بات بھی غور طلب ہے۔“

”مطلب یہ کہ اس معاملے کا سراغ لگانا ہوگا... اور اصل بات ہمیں وہی شخص بتا سکے گا جو ہمارے پاس آیا تھا... اسے تلاش کرنا ہوگا۔“

”اوہ ہاں واقعی۔“

”میں آپ کو اس کا حلیہ لکھو دیتا ہوں... آپ یہ حلیہ ہر پریس اسٹیشن کو بھیج دیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

انہوں نے تفصیلی حلیہ لکھوادیا... پھر ایک خیال آنے پر

انہوں نے انسپکٹر کاشان کے نمبر ملائے... سمسٹ مٹے پر اس نے کہا۔

”انگل ایک پراسرار معاملہ ہے... آپ ذرا ایک حلیہ لکھ لیں... اور اس حلیے کے آدمی کو ریکارڈ میں تلاش کر دائیں... ویسے پریس اسٹیشنوں کو یہ حلیہ بھیجوا یا جا رہا ہے۔“

”بات کیا ہے شوکی۔“ انسپکٹر کاشان نے پریشان ہو کر کہا۔

اس نے انہیں بھی ساری تفصیل سنادی... اس کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔

”تم غلط نہ کرو شوکی... میں اس کیس پر ابھی اور اسی وقت کام شروع کر رہا ہوں... جو وہی اس شخص کا کوئی سراغ ملے گا... میں تمہیں فون کر دوں گا، انسپکٹر صاحب کو میرا سلام دیتا۔“

”جی اچھا۔“

اور انہوں نے فون بند کر دیا... انسپکٹر صاحب نے حیران ہو کر ان سے پوچھا:

”اب آپ نے کسے فون کیا تھا۔“

”انسپکٹر کا شان کو... وہ ہمارے انکل ہیں۔“

”میرے بھی دوست ہیں... اور ریکارڈ کے ماہر خیال کیے جاتے ہیں.. آپ نے بہت اچھا کیڑا شکاری صاحب۔“

”شکر یہ جناب۔“

اور پھر رات ہو گئی... وہ ہوشیار ہو گئے... انسپکٹر کے کانٹیل کوٹھی کے باہر گشت کرنے لگے... ایک ایک منٹ ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا...

دو پھر تین بج گئے... رات کے تین... تیسرے مہینے کی تین تاریخ کے تین بج گئے... ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے... ایسے میں جاوید سا ہوتر سے گرا اور ماسکت ہو گیا...

وہ بڑی طرح اچھے... ان کے منہ سے نکلا۔

”ارے ہائیں! یہ کیا ہوا۔“ ان کے منہ سے

ایک ساتھ نکلا۔

پھر وہ جاوید سا ہو پر جھک گئے... انہوں نے اس کی نبض چیک کی... دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی

... اس وقت انہیں یہ خوفناک حقیقت معلوم ہوئی کہ جاوید سا ہو اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا...

وہ دھک سے رہ گئے... کتنے ہی لمحے وہ خالی خان آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے... جیسے سوچ رہے ہوں... اب کیا بات کریں... بات کرنے کے لیے ان کے پاس رہ ہی کیا گیا تھا... ان کے سارے انتظامات دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ وہ سب مل کر کچھ نہیں کر سکے تھے... اور قاتل نے وہاں نہ ہوتے ہوئے بھی اپنا کام کر دکھایا تھا... اب سوال یہ تھا کہ کیسے... اس نے اپنا کام کیسے کیا تھا... وہاں تو ان کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا... کمرے کا دروازہ بھی بند تھا۔

”حیرت انگیز ترین... خوفناک ترین... سمجھ میں نہ آنے والی بات۔“ انسپکٹر شاکر بولا۔

”پوسٹ مارٹم کے بغیر شاید ہم پتا نہ چلا سکیں... کہ ان کی موت کیسے واقع ہوئی ہے...“

”ہاں ٹھیک ہے... میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔“

”تب پھر ہم چلتے ہیں... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آئے گی تو ہم آپ سے فون پر پوچھ لیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“

وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ آفتاب بہت
زور سے اچھلا، رے حیرت کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پھر
اس کے منہ سے نکلا:

”نن... نہیں... نہیں۔“

☆☆☆☆☆

لیٹ

”کیا ہوا بھئی... کیا نظر آ گیا۔“ شوکی نے سے
مگورا۔

”سس... سوئی۔“

”سوئی... کہاں ہے سوئی... کیسی سوئی۔“ اشفاق
بولتا۔

”کم از کم میں کپڑے سینے والی سوئی کی بات نہیں کر
رہا۔“ آفتاب محلا اٹھا۔

”وہی تو ہم پوچھ رہے ہیں... کس سوئی کی بات کر
رہے ہو۔“

”یہ رہی گردن میں... اس کا صرف پچھلا سر گردن

سے باہر رہ گیا ہے... باقی حصہ گردن میں دھنس چکا ہے... او
اس کا مطلب ہے... اس سوئی کے ذریعے جاوید ساہو کو قتل کر
گیا ہے۔“

”غلط... بالکل غلط۔“ انسپکٹر شاگر نے فوراً کہا۔

”کیا مطلب جناب... آپ کس بات کو غلط کہہ رہے

ہیں۔“

”یہ قتل ہماری موجودگی میں ہوا ہے... اور یہاں

ہمارے علاوہ کوئی اور نہیں تھا... تب پھر کسی نے سوئی کیسے پھینک

دی... اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ قاتل میں یا آپ لوگوں میں

سے کوئی ہے... لیکن ہم سوگ تو ان کی زندگی بچانے کی فکر کر

رہے تھے... ہمارا اس قتل سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اب رد کیا

وہ دشمن... جو آپ لوگوں سے ملنے کے لیے آیا تھا... اس کا اس

قتل سے ضرور تعلق ہے... کیونکہ یہ خبر اسی نے سنائی تھی کہ جاوید

ساہو کو تیسرے ماہ کی تین تاریخ کو رات کے ٹھیک تین بجے قتل

کر دیا جائے گا... اور بالکل اسی طرح ہوا، لہذا اس کا تعلق اس

قتل سے ضرور ہے... لیکن وہ بھی یہاں نہیں تھا... پھر آخر یہ

سوئی جاوید ساہو کی گردن میں کس نے پیوست کی۔“ انسپکٹر شاگر

ہتے چپے گئے۔

اب وہ سب ساکت تھے... سوچ کے طوفان نے انہیں

اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا... ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی

تھی... آخر کافی دیر بعد شوکی نے سر اٹھایا اور بولا

”اس کا جواب صرف اور صرف ایک ہے۔“

”اور وہ کیا...“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”یہ کہ جاوید ساہو نے یہ سوئی اپنی گردن میں خود

پیوست کی ہے۔“

”یہ... یہ کیسے ممکن ہے... بھلا یہ کیوں خود کشی

رہتے... یہ تو بہت خوش و خرم زندگی بسر کر رہے تھے...“

”وہ الگ بات ہے... لیکن آپ غور کریں... اس

کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی... یا پھر یہ تسلیم کریں کہ سوئی

آپ نے ان کی گردن میں پیوست کی۔“

”مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔“ اس نے منہ بتایا۔

”اور ہمیں بھی۔“ شوکی مسکرایا۔

”آخر یہ کیسے ممکن ہے... ایک بالکل صحت مند ور

پرسون زندگی گزارنے والا اس طرح آرام سے بیٹھے بٹھنے

زہر کی سوئی اپنی گردن میں اتار دے، یہ بات میرے حلق سے نہیں تر رہی۔“

”اتر تو ہمارے حلق سے بھی نہیں رہی... لیکن بہر حال... تم ایسا کر دو کہ کوئی کی چھت پر چلے جاؤ... اور چاروں ہمیں یہ بات حلق سے اتارنا ہوگی... کیونکہ ہوا یہی ہے... طرف ذرا دور دور تک دیکھ ڈالو۔ وہ کھڑا ہے یا نہیں۔“

”اللہ اپنا رحم کرے... اب ہمارے لیے مسدود ہے۔ کہیں وہ چلا نہ گیا ہو۔“

”... ان کے گھر دلوں کو یہ خوفناک خبر سنانے کا... پوسٹ، رشم کے لیے ناش لے جانے کا۔“

”جی ہاں! یہ کام آپ کو کرنا ہوگا... ہمیں تو جادو... شوکی نے بڑا سامنا بنایا۔“

”... میرا مطلب، اس شخص سے ہے... جو ہم سے ملنے کے لیے آیا تھا... ہمیں اس کی تلاش میں نکلتا ہے، کہیں وہ دور نہ گئے۔“

”اور میرا ایک اندازہ ہے۔“ ایسے میں آفتاب نے کہا۔

”کیسا اندازہ؟“ وہ اس کی طرف مڑے۔

”وہ شخص اس کوٹھی کے آس پاس ہی کہیں موجود ہوگا... کیونکہ وہ بھی تو یہ چاہتا ہوگا کہ اس نے جو کام کیا

”ہے، اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔“

”بالکل ٹھیک آفتاب... تم نے بہت سچے کی بات

”تم ایسا کر دو کہ کوئی کی چھت پر چلے جاؤ... اور چاروں

”میں جا رہا ہوں... ہمیں یہ کام اب سے بہت پہلے کر

”ابھی اس قتل کی خبر کمرے سے باہر نہیں نکل... ابھی تو

”لہ کے افراد کو بھی معلوم نہیں ہوا... لہذا وہ چلا کیسے گیا

”اور پھر آفتاب باہر نکل گیا...“

”اس میں شک نہیں... آپ لوگ حیرت انگیز ہیں...“

”یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔“

”یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔“

”جلد ہی آفتاب کی واپسی ہوئی... اس کے چہرے پر

”حیرت ہے... کمال ہے... وہ باہر موجود ہے۔“

”وہ مارا... انیکٹر صاحب... ہم اس کے تعاقب میں

جاری ہے ہیں...“
 ”آپ گھر والوں کو اس دردناک سانحے کی خبر ہوں گی... جلد ہی انہوں نے پڑوسیوں کو گھروں سے نکل کر دیں... رونے دھونے کی آواز سن کر وہ یہاں سے چل کر باویں ساہو کے دروازے کا رخ کرتے دیکھا... بس یہ دیکھتے... اور ہم اس سے پہلے اس کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہو رہی وہ شخص کار میں جا بیٹھا۔ اب دونوں کی گاڑیاں آگے پیچھے ہوں گے... ہم اس سے کچھ فاصلے پر غیر محسوس طور پر پہنچ کر رانا نہ ہونیں... درمیانی فاصلہ بھی من سب تھا...“
 ”کیسی پکڑ لیتے ہیں۔“
 ”دیکھیے... آپ بس اس کار کے پیچھے پیچھے رہیے“
 ”ٹھیک ہے... مہربانی فرما کر موبائل پر رابطہ رکھنا۔“ شوکی نے ڈرائیور سے کہا۔

”افسوس! اس وقت ہم میں سے کسی کے موبائل... اچھی بات ہے... آپ فکر نہ کریں۔“ یہ کہتے ہوئے
 ”میں نہیں ہے...“
 ”ار پور مسکرایا۔“

”ایزی لوڈ کرائیں... اپنے نمبر مجھے نہ...“ یہ کیا کہا آپ نے... فکر نہ کریں... در ساتھ میں
 ”کرا دیں... جلدی کریں۔“
 ”آپ سکرانے بھی... خیر تو ہے۔“

اور پھر انہوں نے ایب ہی کیا... جلد ہی وہ کوٹھی... ”جی ہاں! فکر نہ کریں... میں آپ لوگوں کو جانتا ہوں
 باہر ایک ٹیکسی میں بیٹھے تھے... اور دور کھڑا وہ شخص انہیں... آپ کے کاموں سے بھی کسی حد تک واقف ہوں... آپ
 نظر آ رہا تھا... جو ان سے ملنے کے لیے آیا تھا... نزدیک ملا اس گاڑی کا تعاقب کرنا چاہتے ہیں۔“
 اس کی کار کھڑی نظر آئی۔
 ”بھئی واہ... اسے کہتے ہیں... چڑی اور دودو۔“

پھر کوٹھی میں مل چل شروع ہو گئی... بھاگ دیا... ”چڑی اور دودو... کیا مطلب... یہ چڑی کیا ہوتی
 آنے لگی... رونے کی آوازیں دور سے تو خیر سنائی نہیں...“ ڈرائیور کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اوہ ہاں... یہ بھی ہے... نئے دور نے اور نئے
 کی چیزوں نے پرانے عمارات کو اجنبی بنا دیا ہے...
 عمارات اور ضرب الامثل اجنبی اجنبی لگنے لگے ہیں۔“
 ”پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں... اچھا دیکھیے...
 تعاقب اس طرح کریں گے کہ اسے ذرا بھی شک نہ ہو...
 کے لیے ہمیں درمیانی فاصلہ بڑھانا ہوگا۔“
 ”اس طرح اندیشہ رہے گا... کہیں وہ نظروں
 اوچھل نہ ہو جائے۔ لہذا اسے شک ہوتا ہے تو... ہو جائے
 آپ بس درمیانی فاصلہ اتنا ہی رکھیں۔“
 ”اچھی بات ہے... آپ کی مرضی... در نہ میں...
 ماہر ڈرائیور ہوں۔“ اس نے کہا۔
 ”ہمیں اس میں کوئی شک نہیں... لیکن ہم کوئی
 مول لینے کے موڈ میں نہیں... ویسے بھی... ہمیں آخر
 صاحب سے ملاقات تو کرنی ہے۔“
 ”اوہ اچھا... تب تو ٹھیک ہے... بلکہ ان...
 میں تو ہم اس سے اور نزدیک ہو سکتے ہیں۔“
 ”نہیں خیر... اس قدر بھی نزدیک نہ ہوں...“

اپنے مگر جانے کا ارادہ ترک کر سکتا ہے... اور کسی اور سمت میں
 نکل جائے گا۔“
 ”اوہ اچھا۔“
 تعاقب جاری رہا... پھر اگلی کار ایک بڑی سی عمارت
 کے سامنے رک گئی... انہوں نے اس پر اسرار شخص کو اتار کر اندر
 جاتے دیکھا...
 ”بس! آپ ہمیں یہیں اتار دیں۔“
 ”اچھی بات ہے۔“ اس نے کہا اور ٹیکسی روک دی۔
 انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا... اس کا کرایہ ادا کیا
 اور عمارت کی طرف قدم اٹھانے سے پہلے شوکی نے انسپکٹر کا شان
 کے نمبر ملائے۔ انہیں صورت حال بتائی اور پورا۔
 ”وہ سالاری کا لونی کی عمارت نمبر 119 میں گیا ہے
 اور اب ہم اس کے پیچھے اندر جا رہے ہیں۔“
 ”کیا یہ بہتر نہیں ہوگا... میں اس علاقے کے انسپکٹر
 صاحب کو پہلے سارے معاملے کی خبر کر دوں اور وہ یہاں پہنچ
 جائیں... پھر آپ لوگ اندر جائیں۔“
 ”ہمیں افسوس ہے... ہم رک نہیں سکتے... ایسا نہ

ہو... وہ عمارت کے کسی اور راستے سے نکل جائے اور ہم یہاں کھڑے مٹھکتے رہ جائیں۔“

”اچھی بات ہے... میں خود آ جاتا ہوں... متعلقہ افسر سے معذرت کر لوں گا۔“

”آپ ضرور آئیں... لیکن ہم انتظار نہیں کر سکتے.. ہم جا رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

فون بند کر کے وہ عمارت کی طرف بڑھے... ایسے میں آفتاب نے کہا:

”کیا یہ بہتر نہیں ہوگا... کہ ہم انگل کا شان کو بھی صورت حال بتا دیں۔ انسپکٹر شاگر کے بارے میں ہمیں زیادہ معلوم نہیں... نہ جانے کیسے آدمی ہیں۔“

”یہ بات تو ہمیں انگل کا شان بھی بتا دیں گے... لیکن اب ہمیں رکن نہیں چاہیے... اسے اندر گئے تین منٹ ہو چکے ہیں۔“

”اب نہ ہو، ادھر ہم اندر داخل ہوں اور ادھر کوئی واقعہ پیش آ جائے... لہذا کم از کم ان سے رابطہ تو قائم کر لی

لیں۔“ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

شوکی نے فوراً انسپکٹر کا شان کے نمبر مٹائے اور عمارت کے دروازے کی طرف بڑھتا رہا... تینوں نے اس کے ساتھ قدم اٹھائے اور دروازے پر پہنچ گئے... انہوں نے دیکھا، دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا... گویا اس نے اندر سے بند نہیں کیا تھا... انہوں نے پہلے تو ایک بار دستک دی... پھر اندر داخل ہو گئے... اندر انہیں یہ پورا نظر آیا:

”یہ عمارت کسی ایک شخص کی نہیں... اس کے مختلف حصے ہیں اور ان میں مختلف لوگ رہتے ہیں... لہذا پہلے کاؤنٹر سے معلومات لے لی جائیں۔“

بائیں طرف انہیں کاؤنٹر نظر آیا... اس کے پیچھے ایک شخص آنکھوں پر عینک لگائے بیٹھا تھا

”السلام علیکم جناب۔“ شوکی نے باادب ہو کر کہا۔

”ہاں جی... کیا بات ہے۔“

”ہمارے پاس ایک صاحب کے دس ہزار روپے ہیں... وہ ہمیں انہیں لوٹانے ہیں... وہ اسی عمارت میں رہتے ہیں... لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں... کہ وہ کون سے حصے میں رہتے

ہیں۔“

”کوئی بات نہیں... آپ ان کا نام بتادیں۔۔۔“ اس

نے کہا۔

”یہی تو مسئلہ ہے... ہم ان کا نام نہیں جانتے...

ہاں... حلیہ بتا سکتے ہیں۔“

”حلیے بتادیں۔“ وہ مسکرایا... اس کی مسکراہٹ

عجیب سی تھی۔

شوکی نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا، لیکن

اس وقت تک وہ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی... اور وہ معمول

کے مطابق نظر آ رہا تھا... اس نے جلدی سے حلیہ بتا دیا... سننے

ی اس نے کہا:

”میں سمجھ گیا... آپ چپا کیہ صاحب کی بات کر رہے

ہیں... آئیے میں آپ کو ان کے پورشن تک پہنچا دوں۔“

”شش شکریہ۔“ شوکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

یعنی اس وقت اسپیکٹر کا شان سے ان کا رابطہ ہو گیا...

اس سے پہلے ان کا موبائل مصروف تھا۔

”ہاں شوکی... کیا بات ہے۔“

”سالاری کا لوئی نمبر 119۔“ اس نے دہی آواز

میں کہا۔

”کیا مطلب۔“ کلرک چونک کر اس کی طرف مڑا۔

”کچھ نہیں... میں اپنے ایک دوست کو بتا رہا ہوں کہ

ہم کہاں ہیں۔“

”ادھ اچھا...“ اس کے منہ سے نکلا۔

دوسری طرف اسپیکٹر کا شان کہہ رہے تھے:

”کیا تم کسی مصیبت میں پھنس گئے ہو شوکی۔“

”ایسا لگتا ہے... آپ کچھ دیر بعد رابطہ کر کے دیکھ

سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے شوکی... تم فکر نہ کرو... میں سمجھ گیا

ہوں... چند منٹ بعد اگر تم سے رابطہ نہ ہو سکا... تو میں یہاں

آ جاؤں گا۔“

”بہت بہت شکریہ انگل۔“

اور اسی وقت کلرک نے ایک دروازے کی طرف

شارہ کیا

”مسٹر چپا کیہ اندر ہیں... آپ دستک دے کر چلے

”شوکی برادرز خوش آمدید... آپ کا یہاں پہنچ جانا میرے لیے کوئی حیرت کی بات نہیں۔“

”ہم ضرور حیران ہیں یہاں آکر۔“

”کوئی بات نہیں... میں وضاحت کیے دیتا ہوں...“

”نہایت... آپ کو کس بات پر حیرت ہے۔“

”آپ ہمارے پاس آئے... آپ نے اپنا نام جاوید

رہو بتایا تھا... اور پتا سا ہو کا کوئی بتایا تھا... سو ہم وہاں پہنچ

گئے... لیکن وہاں آپ کے بجائے ایک اور صاحب سے

ملاقات ہوئی... اس نے بتایا کہ وہی جاوید سا ہو ہے... آپ

سوچ سکتے ہیں... ہمیں یہ سن کر کس قدر حیرت ہوئی ہوگی... ہم

نے اندازہ لگایا کہ کہیں واقعی رات کے تین بجے انہیں ہلاک نہ

کر دیا جائے اور ایسا ہی ہوا مسٹر چپا کیہ۔“

”آپ کا مطلب ہے... اس شخص جاوید سا ہو کو قتل کر

دیا گیا۔“ چپا کیہ نے سرسری انداز میں کہا۔

”جی ہاں! یہی بات ہے۔“

”یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔“

”آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا۔“

جائیں۔“

یہ کہتے ہی کلرک واپس مڑ گیا:

”ہم... اندر داخل ہو رہے ہیں انکل... چپا کیہ نام

ہے اس کا... کاؤنٹر کلرک نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے۔“

”ٹھیک ہے... چند منٹ بعد فون کروں گا۔“

انسپکٹر کا شان کے فون بند کرنے کے بعد شوکی نے

دروازے پر دستک دے ڈالی... اندر سے آواز آئی:

”تشریف لائیے۔“

”یہ آواز وہی تھی... جو انہوں نے اپنے دفتر میں سنی

تھی... آخر چاروں اندر داخل ہو گئے، انہوں نے دیکھا... چپا

کیہ اندر کمرے میں سر کے بل کھڑا تھا... اسی حالت میں اس نے

ان سے کہا:

”آپ لوگ بیٹھیں... میں ایک منٹ میں فارغ ہونا

ہوں۔“

پھر جونہی وہ صوفے پر بیٹھے... کمرے کا دروازہ کھٹ

سے بند ہو گیا... ادھر چپا کیہ سیدھا ہو گیا... اور ان کی طرف

دیکھتے ہوئے بولا:

شوکی نے منہ بنایا۔

”اگر تم بتانا چاہتے ہو تو پھر بتا دو... میں سننے کے لیے تیار ہوں۔“

”آپ نے۔“ شوکی نے ترسے کہا۔ اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی... نہ چہرے پر حیرت نظر آئی... وہ اسی طرح پرسکون انداز میں بیٹھا رہا... آخر اس نے کہا ”تم لوگ اب مجھ سے کیا چاہتے ہو... یہاں کس لیے آئے ہو۔“

”آخر اس سارے ڈرامے کا مقصد کیا تھا۔“

”جو دید رہا ہو کو ہمیں... میرا مطلب ہے... ہماری تنظیم کو قتل کرنا تھا... لیکن ساتھ میں تم لوگوں کو پیشہ تھا... بالکل اسی طرح...“

”بالکل اسی طرح کیا...“

”جس طرح انکپز جشیہ پارٹی کو لینا چاہا ہے۔“

”کیا مطلب۔“ وہ بڑی طرح اچھلے۔ آنکھیں مارے

حیرت کے پھیل گئیں... وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس کیس کا پھیلاؤ اس قدر ہے۔

☆☆☆☆

پھیلاؤ

چند لمحے تک وہ سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے رہے... آخر شوکی نے کہا

”آپ... آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔“

”اس مرتبہ تم لوگوں کو سامنا ایک بین الاقوامی تنظیم سے ہے... اس تنظیم کے کیا مقاصد ہیں... کوئی نہیں جانتا...“

”بھی نہیں جانتے جو اس کے لیے کام کرتے ہیں۔“

”مطلب یہ کہ آپ بھی نہیں جانتے۔“ شوکی نے فوراً

کہا۔

”ہاں! یہی بات ہے، ہمیں تو بس اتنا حکم ملا تھا... اس

شہر کے ساہوکار کے، ملک کو قتل کرنا ہے... اور اس طرح قتل کرنا

ہے کہ شوکی برادرز بھی ساتھ میں الجھ جائیں اور ہمارے جال میں خود بخود چپے آئیں... سو مسٹر شوکی... تم اس وقت ہمارے جال میں ہو... جاوید سا ہو کور یوٹ کنٹرول سوئی سے ہلاک کیا گیا ہے... سوئی وہاں پہلے ہی ایک ننھے سے آلے میں فٹ کر کے رکھی جا چکی تھی... ریوٹ کے ذریعے سوئی سا ہو کے جسم میں داخل ہو گئی... اور وہ آلہ بچوں کا ایک کھلونا سا تھا جس کی طرف تم لوگوں نے دھیان نہیں دیا... بس اتنی سی کہانی ہے۔“

”لیکن ہمیں کیوں الجھایا گیا ہے۔“

”تم لوگوں کے بارے میں جلد احکامات ملیں گے۔“

”اور یہ آپ نے کیا کہا کہ انسپکٹر جمشید پارٹی بھی جال میں آ چکی ہے۔“

”ہاں وہ بہت جلد سبکیں آئیں گے... تمہاری ان سے ملاقات کرادی جائے گی... اور یہ ملاقات آپ کو یاد رہے گی۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے...“ آفتاب بڑبڑایا۔

”آپ کا مطلب ہے... ہماری ان سے یہیں ملاقات ہوگی۔“

”ہاں! بالکل۔“

”تب پھر انسپکٹر کا مران مرزا پارٹی نے کیا قصور کیا ہے۔“

”فی الحال ہمیں ان کے بارے میں اطلاعات نہیں... لیکن اگر تحقیق نے انہیں پروگرام میں شامل کیا ہے... تو وہ بھی نہیں گمے۔“

”آپ کا مطلب ہے... یہاں آئیں گے۔“

”ہاں! بالکل آئیں گے... یہ شہر ہماری تنظیم کا مرکز ہے... مطلب یہ کہ اس ملک کی حد تک۔“

”یہ اچھی بات ہے... کہ ہماری ان سے یہیں ملاقات ہو جائے۔“

”اور ہمیں تو یہ بھی معلوم ہے کہ...“ وہ کہتے کہتے رک گیا... عین اس لمحے دروازے پر زوردار دستک دی گئی... دو چوٹک اٹھے پھر چپا کیے اٹھ کر دروازے پر چلا گیا اور بولا۔

”آئیے مسٹر ہام! مجھے آپ ہی کا انتظار تھا، سرنے کہا تھا کہ اب آگے معاملات آپ کنٹرول کریں گے۔“

”ہاں! مجھے بھی یہی ہدایات ملی ہیں... انسپکٹر جمشید اور

ان کے ساتھی ایر پورٹ پر اتر چکے ہیں اور کوئی دم میں وہ اس عمارت کا رخ کرنے والے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ شوکی برادرز ایک ساتھ بولے۔

”ان سے پہلے نامرتین یہاں موجود ہو گئے... ہمیں ان کے استقبال کی تیاری کرنی ہے... تم یہاں سے جا سکتے ہو... جو ہدایات ہیں... ان پر عمل کرنا۔“

”بہت بہتر مسٹر ہام۔“ چاکہ نے کہا اور کمرے سے نکل گیا... اس کے نکلنے ہی کمرے میں خوفناک قسم کے آٹھ آدمی اندر آ گئے... ان کے ہاتھوں پر عجیب و غریب خول چڑھے ہوئے تھے... انہیں ان خولوں کو دیکھ کر خوف و محسوس ہوئے... ان پر صلیب کی قسم کے ابھارتے...

”ان لوگوں کو ہال میں لے چلو اور نکادو۔“

”لگ... کیا کہا... نکادو۔“

”ہاں! جیسی تو قسم کا سین کھل ہو گا... وہ سین جسے دیکھ کر نیکٹر جشید اپنے شہر میں ٹھہر نہیں سکے... انہیں اڑ کر یہاں لے آؤ۔“

”لگ... گویا... سین میں ہمیں صلیبوں پر پر لگا...

یا گیا ہے۔“

”ہاں! یہی بات ہے... اور اس عمارت کی نشان دہی بھی کی گئی ہے... لہذا وہ بھلا یہاں کیوں نہیں آئیں گے۔“

”لس... لیکن... اس قلم میں وہ سین کیسے آ گیا... جب کہ ہمیں ابھی تک لٹکا یا ہی نہیں گیا۔“

”اوہ! ایسا کرنا آج کے زمانے میں کیا مشکل ہے۔“

”اچھی بات ہے مسٹر ہام... اگر یہاں نیکٹر جشید اور ان کے ساتھی آرہے ہیں... تو پھر ہمیں کوئی پروا نہیں... وہ خود ہی اس مسئلے کو دیکھ لیں گے۔“

”یہی تو مشکل ہے۔“ ہام زوردار انداز میں ہنسا۔

”کیا مشکل ہے۔“

”وہ تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے... البتہ۔“ وہ

کہتے ہوئے دنگ گیا۔

”البتہ کیا؟“

”البتہ... چلو بس رہنے دو... تم بھی کیا یاد کرو...

”ہائیں ہائیں... یہ کیا بات ہوئی... ہم کیا یاد کریں

گے بھلا۔“

”ہاں اور کیا... تم بھی کیا یاد کرو گے۔“

اچانک ان آٹھوں نے مل کر انہیں اٹھالیا اور سر سے بلند کیا... پھر وہ انہیں لے کر چلے۔ ہام ان سے آگے چل رہا تھا... آخر وہ ایک دیوار کے پاس رک گیا... اس نے دیوار میں نہ جانے کیا کیا کہ اس میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا... دروازہ پار کر گیا... تو اس کے آٹھوں ماتحت بھی دوسری طرف آگئے۔ اس نے پھر دیوار میں کچھ کیا اور دروازہ بند ہو گیا... اب انہوں نے انہیں فرش پر چھوڑ دیا

شوکی برادرز نے دیکھا... وہ بہت طویل و عریض ہال تھا... یوں لگتا تھا جیسے کوئی کھیلنے کا میدان ہو... اس کے درمیان میں لکڑی کی بڑی بڑی صلیبیں نصب تھیں اور صلیبیں بیسیوں تھیں... یعنی ان کے پول دور تک قطار میں نظر آ رہے تھے... یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ دوسرا سرا انہیں نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

”پہلے انہیں صلیبوں سے بندھ دو... پھر انہیں وہ قلم دکھاؤ... جسے دیکھ کر انسپکٹر جمشید یہاں آنے والے ہیں... اور

کی عمارت خالی ہو چکی یا نہیں۔“ ہام نے جلدی جلدی کہا۔

”جی بالکل... جو جی آپ اندر داخل ہوئے تھے... سب لوگ باہر نکل گئے تھے... یہاں تک کہ سب سے آخر میں چاکر بھی نکل گیا تھا۔“

”ہوں... ٹھیک ہے... جلدی کرو...“

اور پھر ان چاروں کو صلیبوں کے ساتھ ہاندھ دیا گیا... ان کے پیراب زمین سے گئی فٹ اونچے اٹھے ہوئے تھے... اور وہ جج صلیب پر لٹکے ہوئے نظر آ رہے تھے:

”تم لوگ دیکھ رہے ہو... یہاں ابھی اور بہت سے پول موجود ہیں... ان پر انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو بھی لٹکا پڑے گا۔“

”خیر... یوں تو نہیں ہوگا۔“ شوکی نے منہ بنایا۔

”کیوں... کیوں نہیں ہوگا۔“

”اس لیے کہ وہ کچی گولیاں نہیں کھیتے۔“

”گویا تم کہنے چاہتے ہو کہ ہم کچی گولیاں کھیتے ہیں۔“

”میں نے ان کے بارے میں کہا ہے۔“ اس نے منہ

”خیر پہلے تم فلم دیکھ لو۔“

اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار پر فلم کا سین نو
آنے لگا۔۔۔ ابھی سین شروع ہی ہوا تھا کہ مارے خوف کے ان
چاروں کے منہ سے نکلا:

”نہن... نہیں... نہیں۔“

”ارے بھئی... ابھی سے نہیں نہیں کرنے لگے۔۔۔ ابھی
تو فلم شروع بھی نہیں ہوئی... اس کا پہلا سین ہی تم نے دیکھا ہے
... جوں جوں فلم آگے بڑھے گی... تمہارے خوف میں اضافہ
ہوتا چلا جائے گا۔“

”اللہ رحم فرمائے۔“

”ضرور... رحم فرمائے گا... تم پر نہیں... ہم پر۔“

”اللہ تعالیٰ ظالموں پر رحم نہیں فرمائے گا۔“

”خیر... دیکھا جائے گا۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

پھر واقعی فلم جوں جوں آگے بڑھنے لگی... مارے
حیرت اور خوف کے ان کے رنگ اڑتے چلے گئے... ایسے میں
انہوں نے عمارت کے دروازے پر دستک کی آواز سنی... وہاں
آوازوں کا نظام قائم کیا گیا تھا... اسی لیے اگرچہ وہ عمارت

کے خفیہ حصے میں تھے... لیکن اس کے باوجود انہوں نے دستک
کی آواز صاف سنی تھی...
اور یہ آواز محمود کے دستک دینے کی تھی

☆☆☆☆☆

انسپکٹر کامران مرزا کے دروازے کی کھنٹی بجی... انسپکٹر کامران مرزا بھی تنک دفتر سے نہیں آئے تھے... جب کہ آفتاب، آصف اور فرحت اس وقت لائبریری میں اپنا سکول کا کام کر رہے تھے اور بیگم کامران مرزا باورچی خانے میں تھیں۔
 ”آفتاب! ذرا کیٹنا... باہر کون ہے۔“ آصف نے فوراً کہا۔

”تو تم کیوں نہیں دیکھ لیتے... تمہارے پاؤں میں مہندی لگی ہے کیا۔“ آفتاب نے متہ بتایا۔

”مہندی تو خیر نہیں لگی... میں ذرا حساب کے ایک سوال میں بڑی طرح الجھا ہوا ہوں۔“ آصف نے اسے گھورا۔

”اور میں جغرافیہ کے سوال میں گھرا ہوا ہوں۔“ آفتاب ہٹ سے بولا۔

”تو بہ ہے تم سے... میں دیکھتی ہوں۔“ فرحت جھلک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کتنی چھی بہن ہو تم... تمہاری جیسی بہن کسی کی نہیں ہو سکتی...“ آفتاب خوش ہو گیا۔

”بس بس... زیادہ مکھن نہ لگاؤ۔“

”اچھی بات ہے... نہیں لگاتا... درو زو تو کھونے جا رہی ہوتا۔“ آفتاب مسکرایا۔

”میں تمہاری طرح ست الوجود نہیں ہوں۔“ وہ جھلا اٹھی۔

”اس میں کیا شک ہے۔“ آصف نے فوراً کہا۔

”اے... خیر دار... جو تم نے میری ٹانگ لی۔“

”میرا داغ نہیں چل گیا... میں تمہاری ٹانگ لوں

... میرے اپنے پاس پوری دو ٹانگیں ہیں۔“

”حد ہوئی۔“ فرحت نے پاؤں پٹنے اور درو زے پر

چلی آئی... اس نے قدرے بلند آواز میں کہا:

”کون صاحب ہیں۔“

”مم... میں... میں۔“ باہر سے بڑی طرح ہلکا کر کہا

گیا۔

”میں کون... اپنا نام بتائیں نا۔“

”انوار فخری۔“

”انوار فخری... ہم اس نام کے کسی شخص سے واقف

نہیں ہیں۔“

”اوہو... تو میں نے کب کہا ہے... آپ دروازے

تو کھولیں۔“

”کیوں کھولوں... آپ اپنے بارے میں بتائیں

نا۔“

”میں... میں خطرے میں ہوں... کچھ سوگ میرے

بیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔“ باہر سے کہا گیا۔

”آپ کو کس نے بتایا کہ ان لوگوں نے آپ کے بیچھے

پڑنے سے ہاتھ دھوئے تھے۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“ باہر سے حیران ہو کر کہا گیا۔

”جیسے خیر! اسے چھوڑیں... آپ کے بیچھے کچھ دشمن

لگے ہیں... تو آپ سیدھے پولیس اسٹیشن کیوں نہیں گئے۔“

”اس شہر میں اچھی پناہ گاہ انسپکٹر کا مران مرزا کا گھر

ہے اور بس۔“ اس نے کہا۔

”خوب! تو آپ کو یہ بھی معلوم ہے۔“

”اللہ کی مہربانی سے... لیکن آپ باتوں میں وقت

ضائع نہ کریں... ورنہ وہ یہاں تک پہنچ گئے تو کچھ بھی ہو سکتا

ہے۔“ اس نے گہرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”وہ تو آپ کے اندر آ جانے پر بھی ہو سکتا ہے۔“

”آپ سوگ مجھے مایوس کیے دے رہے ہیں... میں

نے تو سنا تھا... انسپکٹر کا مران مرزا کا دروازہ ضرورت مندوں

کے لیے فوراً کھلتا ہے۔“

”آج کل کچھ دشمن بھی ضرورت مند کا بھیس بدل کر

آ جاتے ہیں۔“ فرحت ملی۔

”اچھی بات ہے... میں یہاں سے آگے چلا جاتا

ہوں... اب جو ہوگا... دیکھ جائے گا۔“

”خیر ایسی بھی بات نہیں... ہم لوگ احتیاطی تدبیر

اختیار کرنے پر مجبور ہیں... آپ غور کریں... حالات کیا ہیں

... ہم دھماکے ... خود کش دھماکے اور نہ جانے کون کون سی قسم کے دھماکے ہر طرف سنائی دینے لگے ہیں۔“

”میں محسوس کر رہا ہوں ... ان کی گاڑی سڑک تک آچکی ہے ... اب وہ سیدھے ادھر آئیں گے ... انہیں معلوم ہے ... میں آپ لوگوں کی طرف آیا ہوں۔“

”اوہ اچھا! یہ لیں۔“

اور فرحت نے دروازہ کھول دیا ... اس سے پہلے آفتاب اور آصف گھر کے ستونوں کے پیچھے پوزیشن لے چکے تھے ... اور فرحت نے بھی دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی خود ديوار کے ساتھ لگا لیا تھا:

”یہ کیا ... دروازہ کھل گیا ... لیکن نظر کوئی نہیں آ رہا۔“ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”آپ پہلے دروازہ اندر سے بند کر دیں ... چنتی لگا دیں ... پھر ادھر منہ کر کے ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔“ ستونوں کے پیچھے سے آصف کی سرد آواز سنائی دی۔

”حد ہو گئی ...“ اس نے جھٹکا کر کہا اور ہدایات پر عمل کیا۔

”چیک کر دو فرحت ... ان کے پاس کوئی اسلحہ تو نہیں ہے۔“ آفتاب کی آواز ابھری۔

”اور آپ کوئی حرکت نہیں کریں گے ... کیونکہ آپ پوری طرح ہماری زد پر ہیں۔“

”میں کیوں کوئی غلط حرکت کروں گا ... میں تو آپ سے مدد مانگنے آیا ہوں۔“

”فرحت جلدی! ... فی الحال ان کی باتوں پر اعتبار کرنے کی کوئی وجہ ہمارے پاس نہیں۔“

”لگرنہ کرو ...“ فرحت نے کہا اور پیچھے سے آکر اس کی جیبوں کو خستہ پا ڈالا ... آخر اس نے کہا

”بظاہر ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں۔“

”اد کے ...“

انہوں نے کہا اور سامنے آ گئے ... ان کے ہاتھوں میں ہتول تھے:

”آپ لوگ ڈرائنگ روم میں آجائیں۔“ آصف نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

اب وہ چاروں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے:

”ہاں! اب فرمائیے۔“

”وہ عجیب و غریب لوگ ہیں... ان کی کوئی بات کچھ میں نہیں آ رہی... اور یہ سسہ چند دن پہلے شروع ہوا تھا۔“

”ہمیں تفصیل سنائیں۔“

”اس کا مطلب ہے... انپینز کا مران مرزا گھر میں

نہیں ہیں۔“

”بھی نہیں آئے... لیکن جدی آنے والے ہیں۔“

”سب کے حق میں بہتر یہ ہے کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے اپنی بات پوری کر لیں۔“

”اچھی بات ہے... میں ایک کاروباری آدمی ہوں

... اس شہر میں میرے جو توں کا ایک کارخانہ ہے... میرے

کارخانے کے جوتے سارے شہروں میں جاتے ہیں... چند دن

پہلے مجھے ایک فون موصول ہوا... فون کرنے والے نے کہا

”ہم لوگ چاہتے ہیں... آپ اپنے ملک کے لوگوں

کے لیے جو جوتے بناتے ہیں... ان پر ہماری تنظیم کے سٹیکر لگائیں۔“

”آپ کی تنظیم کے سٹیکر... کیا مطلب... میں سمجھ

نہیں۔“

”ہم آپ کو سٹیکر دکھا دیتے ہیں... آپ کو اس سسہ

میں ہماری رقم ہر ماہ ادا کی جائے گی... رقم بھی طے کر لیں گے

... کیسے... کیا کہتے ہیں۔“

”سٹیکر کو دیکھیں بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”ٹھیک ہے... ہم آج رات گیا رہ بجے آپ کے گھر

آئیں گے... سٹیکر ساتھ لائیں گے... آپ ان کو دیکھ لیجیے گا

... پھر باقی باتیں طے کریں گے۔“

”اچھی بات ہے۔“

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا... میں قدرے الجھن

محسوس کر رہا تھا۔ خیر... رات کو گیارہ بجے تمن آدمی مجھ سے

ملنے کے لیے آئے... تینوں کے حلیے ایک جیسے تھے... وہ جب

بولتے تھے تو ایک ساتھ بولتے تھے:

”کیا مطلب؟“ تینوں کے منہ سے نکلا۔

”جی ہاں... ان کے منہ سے ایک ساتھ جملہ نکلتا تھا۔“

”یعنی جو بھی وہ بولتے تھے... تینوں بولتے تھے اور

ایک ساتھ بولتے تھے۔“ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

”جی ہاں! پھر انہوں نے مجھے وہ ٹیکر دکھائے... میں وہ ٹیکر دیکھ کر کانپ گیا۔“

”میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں... لیکن پھر بھی آخر محبت وطن ہوں... ان ٹیکروں پر ہمارے بانیان قوم کے ہاتھ تھے... اب آپ خود سوچیں... بھلا میں یہ ٹیکر اپنے کارخانے میں بننے والے جوتوں پر کس طرح لگا سکتا تھا۔ میں نے صاف انکار کر دیا... اس پر وہ مسکرائے اور بولے:

”یہ کام تو تمہیں کرنا ہو گا... خوشی سے کرو گے تو بھاری رقم ساتھ ملے گی... خوشی سے نہیں کرو گے تو ہم زبردستی کر رہے... اور اس صورت میں کوئی پیسہ نہیں ملے گا۔“

”آپ مجھ سے زبردستی بھی یہ کام نہیں لے سکیں گے... میں یہ کام کسی قیمت پر نہیں کروں گا... کوئی بالکل ہی با غیرت ہو جائے اور ایسا کام کرنے لگے تو لوگ کب اسے چھوڑ دیں گے... اس کا کاروبار تو ویسے ہی بند ہو جائے گا۔ لیکن میرے سامنے یہ بات نہیں تھی... میرا ضمیر تو کسی طرح تیار تھا ہی نہیں۔ میں نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ تم سے بچا ہو سکتا ہے کر لو... اس پر انہوں نے کہا... ہم ابھی تمہیں دکھ

دیتے ہیں کہ کیا کر سکتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی انہوں نے نہ جانے کسے فون کیا... بس چند منٹ بعد پولیس آگئی... انہوں نے فوراً الزام لگا دیا کہ میں جوتوں کے کاروبار کی آڑ میں منشیات کا کاروبار کرتا ہوں اور اس وقت بھی میرے کارخانے میں منشیات کی بہت بڑی مقدار موجود ہے... اور کارخانے میں یہ کام جوتوں کے اندر رکھ کر کیا جا رہا ہے... اس طرح منشیات پورے ملک میں پھیل رہی ہے... کارخانے کی تلاشی لے پیتے ہیں... میں نے فوراً کہا کہ ٹھیک ہے۔“

ہم اسی وقت کارخانے چلے گئے... اور یہ سن کر آپ کو حیرت ہوئی کہ وہاں ایک کمرے میں واقعی منشیات کی بہت بڑی مقدار موجود تھی... یہ دیکھ کر میرے چہروں تلے سے زمین نکل گئی... اب پولیس آفیسر نے کہا کہ وہ مجھے گرفتار کر رہے ہیں... میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنی صفائی کا موقع دیا جائے... کیونکہ یہ میرے خلاف ایک سازش ہے... اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ رستے ہاتھوں پکڑے گئے ہیں... ثبوت ساتھ موجود ہے... لہذا آپ کو اسی وقت حوالات میں بند کیا جائے

میں بہت گھبرا گیا... اس وقت ان تینوں نے کہا۔
 اب تہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں پولیس سے بچا سکتے ہیں... میں نے
 ان سے پوچھا... وہ کیسے... وہ کہنے لگے کہ یہ آپ ان پر چہرہ
 دیں... میں نے اپنے آپ کو وقتی طور پر پولیس سے بچانے کے
 لیے حامی بھر لی... انہوں نے نہ جانے ان سے کیا بات کی کہ وہ
 چلے گئے... اب انہوں نے میرے سامنے کاغذات رکھے۔ ان
 پر دستخط کر دیں... میں نے ان کاغذات کو دیکھا... اس میں
 وہی کچھ تھا... یعنی مجھے وہ سٹیکر لگانے کا پابند کیا جا رہا تھا... میرے
 نے دستخط کر دیے... وہ بے شمار سٹیکرز مجھے دے کر چلے گئے۔
 تب میں نے سکون کا سانس لیا اور آپ کی طرف آنے کی تیاری
 کرنے لگا... کیونکہ میرے خیال میں مجھے اس جنرل سے
 انسپکٹر کا مران مرزا ہی نکال سکتے تھے...

پھر جونہی میں اپنی کار میں گھر سے نکلا... میرا تعاقب
 شروع کر دیا گیا... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس قدر
 ہوشیار ہوں گے... بس میں نے ان سے جان چھڑانے کی کوشش
 شروع کر دی... میں چاہتا تھا... انہیں دھوکا دے کر کسی طرح

یہاں پہنچ جاؤں... اور ایک جگہ میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو
 گیا... لیکن جلد ہی میں نے دیکھا کہ ان کی گاڑی پھر میرے
 تعاقب میں تھی... اگرچہ اب درمیانی فاصلہ بہت بڑھ گیا
 تھا... میں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور رفتار بڑھاتا چلا گیا...
 یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گیا۔" یہاں تک کہ وہ خاموش
 ہو گیا "اس کا مطلب ہے... وہ تینوں باہر موجود ہیں۔"

"آپ دیکھیں... میں تو ہر نہیں نکل سکتا۔"

"آفتاب! ذرا چھت پر جا کر دیکھنا۔"

"تو تم کیوں... خیر... میں جاتا ہوں... آفتاب
 کہتے کہتے رک گیا... اسے خیال آ گیا تھا کہ کم از کم اجنبی کی
 موجودگی میں انہیں آپس میں جھگڑنا نہیں چاہیے... پھر جلد ہی وہ
 واپس آ گیا... اس کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے... اس
 نے کہا:

"باہر تین ایک جیسی شکل کے لوگ موجود ہیں۔"

"کیا!؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

عین اس لمحے ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔

نیند

”کون صاحب ہیں۔“
 ”دروازہ کھولو... ورنہ اس کو گگ لگ جائے گی
 ... پھر نہ کہنا۔“ تین آدمیوں کے ایک ساتھ بولنے کی سواز
 نائی دی۔

”کیا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“
 ”آپ فوراً دروازہ کھول دیں... یہاں ایک
 صاحب آئے ہیں... انوار فخری... ہمیں ان سے اپنا صاحب
 کتاب لینا ہے... اگر آپ نے دروازہ نہ کھولا تو ہم اس
 دروازے کو جلا کر رکھ کر دیں گے... ہمارے پاس ایسی چیز
 ہے کہ دروازہ پتک جھپکنے میں جتنے لگے گا۔“

انہوں نے محسوس کیا، وہ ٹھیک کہہ رہے تھے... حیرت
 کی بات یہ تھی کہ اتنے جملے بھی انہوں نے ایک آواز ہو کر بولے
 تھے... جب کہ ایسا کرنا قریب قریب ناممکن تھا۔

”اچھی بات ہے... میں دروازہ کھول رہا ہوں... تم
 لوگوں سے گھر کے اندر ملاقات کرنا ہی سودمند رہے گا۔“

اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا... فوراً ہی ایک جیسی
 شکل صورت کے تین آدمی اندر آ گئے اور انہوں نے خود ہی

”یہ... یہ دستک کم از کم بتا جان کی تو نہیں۔“ آفتاب
 نے فوراً کہا۔

”میں دیکھتا ہوں... لگتا ہے، خطرہ سر پر آ گیا ہے،
 تم دونوں پوزیشن لے لو... لیکن نہیں... پہلے انوار صاحب
 اندرونی حصے میں چھپا دو۔“ آصف نے جدی جدی کہا۔

آفتاب نے انوار فخری کا ہاتھ تھاما اور اندر کی طرف
 دوڑ لگا دی۔ جلد ہی وہ واپس آ گیا اور آتے ہی بولا

”میں انوار فخری کو چھپا آیا ہوں۔“
 ”بس ٹھیک ہے۔“ آصف نے کہا اور دروازے
 چلا آیا۔

دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ کیونکہ آصف تو دیوار سے جا بک
تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔۔۔ انہوں نے مڑ کر اس کی
طرف دیکھا۔

”یہ کیا۔۔۔ گھر میں صرف تم ہو۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ ایک
اس ستون کے اور دوسرا اس ستون کے پیچھے موجود ہے۔۔۔
پھر انوار فخری کہاں ہے۔“
”آپ اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں اور بتائیے
... معاملہ کیا ہے۔“

”اس نے ہمارا مطالعہ نہیں مانا۔۔۔ ہم ایسے لوگوں کو
جینے کا کوئی حق نہیں دیتے۔۔۔ جو ہمارا مطالعہ نہ مانے۔“
”آپ آخر ہیں کون۔۔۔ اور کیوں دوسروں کو اپنے پابند
بنانا چاہتے ہیں۔“ آصف نے جل کر کہا۔

”یہ پستول جیب میں رکھ لو۔۔۔ ہم ان کھلونوں سے
ڈرنے والے نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ ایسے کھلونے ہم سے ڈرتے ہیں
اور مثال کے طور پر یہ سن لو کہ انسپکٹر جمشید جیسوں کو ہم اٹو بنا کر
آئے ہیں۔۔۔ بلکہ انہیں بھی ادھر کی دعوت دے آئے ہیں۔
ادھر سے مراد شو کی برادرز کا شہر ہے۔۔۔ وہ سیدھے وہاں آئیں

میں اور ہمارے جاں میں پھنس جائیں گے۔۔۔ کیا سمجھے۔“ وہ
بتوں بولے۔

”ابھی تک کچھ نہیں سمجھے۔۔۔ لیکن سمجھنے کی کوشش کر رہے
ہیں۔۔۔“ آفتاب نے بڑا سامنہ بنایا۔

”سب سے پہلے تو ہماری سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آرہی
کہ آپ تین ہیں یا ایک۔۔۔ اگر تین ہیں تو ایک آواز میں تینوں
کیسے بول سکتے ہیں۔۔۔ اور اگر آپ ایک ہیں تو تین کیوں دکھائی
دے رہے ہیں۔“

”جب تم لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی، اس
وقت باقی سب باتیں بھی سمجھ میں آجائیں گی۔۔۔ اور کوئی بات
سمجھانے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔۔۔ فی الحالہ مسئلہ ہے
... انوار فخری کا۔۔۔ وہ یہاں آچکے ہیں۔۔۔ یہ بات ہم جانتے
ہیں۔۔۔ لہذا ہم انہیں آپ لوگوں کی موجودگی میں قتل کریں
گے۔“

”کیا!!!“ وہ ایک ساتھ چلائے۔
”ہاں! جو تو میں ہماری پیش کش نہیں مانتیں۔۔۔ ہم
انہیں دنیا سے مٹا دیتے ہیں۔“

”کیا... کیا ایسے لوگ دنیا سے واقعی چلے جاتے ہیں...“ فرحت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب... کیا کہنا چاہتی ہو۔“ وہ بولے۔

”میں یہ کہنا چاہتی ہوں... جو لوگ سچی کی خاطر جان دے دیتے ہیں، کیا وہ دنیا سے مٹ جاتے ہیں... ہم تو یہ اکیلے آئے ہیں کہ ایسے لوگ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتے ہیں... اور کبھی نہیں مرتے... تاریخ کی کتابوں میں ان کے نام ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتے ہیں۔“

”ہم ان باتوں کو نہیں مانتے... بلکہ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہم اپنے مخالفین کو جیونٹی کی طرح مٹا دیتے ہیں... اور نیا کام آسان کر لیتے ہیں۔“

”تب پھر سن لیں... آپ انہیں ہاری موجودگی میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“ آفتاب نے پر جوش انداز میں کہا۔

”تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم تہاری موجودگی میں انوار فخری کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے... اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس کے کامران مرزا کی موجودگی میں ایسا کام کر کے دکھائیں گے۔“

”کیا کہہ رہے ہو بھائی... تم تو بہت لمبے چوڑے دعوے کر رہے ہو... اور اگر یہی بات ہے تو پھر ان کے آنے تک انتظار کیوں نہیں کر لیتے۔“

”انتظار... خیر... کر لیتے ہیں... ہمارا کیا جاتا ہے... لیکن بھئی... تم انہیں بلاؤ نا... وہ کہیں رو گئے... ان کے گھر آنے کا وقت تو ہو بھی چکا ہے۔“ انہوں نے نہایت شوخ انداز میں کہا۔

ہاں! کیوں نہیں... آفتاب نے کہا اور جیب سے موبائل نکال کر ان کے نمبر دبائے، جلد ہی سلسلہ مل گیا... اور ان کی آواز سنائی دی:

”ہاں آفتاب... خیر تو ہے۔“

”نظر نہیں آتی... آپ بس یہاں آ جائیں۔“

”دفتر میں مجھے چند منٹ اور لگیں گے... معاملہ کیا ہے۔“

”عجیب و غریب، حیرت انگیز اور خوفناک۔“

”اچھا اچھا... کوئی بات نہیں... گھبراؤ نہیں

... میں آ رہا ہوں...“ انہوں نے کہا اور موبائل آف کر دیا۔

”دفتر میں انہیں چند منٹ اور لگیں گے... اس کے بعد وہ سیدھے ہر آئیں گے۔“

”اچھی بات ہے... تم لوگ جاؤ... اپنا کام کرو... ہم ذرا سولیں۔“

”کیا... کہا... سولیں... گویا آپ کو ہماری طرف سے کوئی خطرہ نہیں کہ ہم سوتے ہوئے آپ کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔“

”خیر، پہنچا سکتے نا... بس تم جاؤ۔“

انہوں نے تینوں حیران ہو کر دیکھا... پھر ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئے... تینوں اٹھے اور دروازے پر پہنچ گئے... انہوں نے دروازہ بند کر دیا:

”یہ... یہ کیا چکر ہے۔“ آصف بڑبڑایا۔

”ارے ہاں... یہ دایا... انہوں نے کہا تھا... یہ انکل انسپکٹر جمشید کی طرف ہو آئے ہیں... میں انکل سے ان کے بارے میں پوچھتا ہوں۔“

”یہ ٹھیک رہے گا۔“

اس نے فوراً انسپکٹر جمشید کے نمبر ملائے... لیکن ان کا

فون بند تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے نمبر ملائے... ان کے فون بھی بند تھے... آخر میں خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے نمبر بھی دیکھ لیے... ان پر بھی رابطہ نہ ہو سکا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے...“ وہ بولا۔

”شوکی برادر زکوہ دیکھو۔“ فرحت ہے تاہم نہ بولی۔

”اچھا۔“ اس نے کہا اور ان کے نمبر ملائے... لیکن رابطہ نہ ہو سکا۔

اس نے انکار میں سر ہٹا کر موبائل بند کر دیا اور سیدھے باورچی خانے میں آئے... انہوں نے دیکھا... بیگم کامران مرزا کا رنگ دودھ کی طرف سفید تھا:

”آپ... آپ کو کیا ہوا۔“

”میں حد درجے خوف محسوس کر رہی ہوں اور خوف کی وجہ نہیں بتا سکتی۔“

”خیر کوئی بات نہیں... ہم آپ سے نہیں پوچھتے...“ آفتاب مسکرایا، لیکن اس مسکراہٹ بھی تبھی تبھی سی تھی۔

”یہ... یہ ہمیں کیا ہو رہا ہے۔“ آصف گھبرا کر بولا۔

”سمجھ سے باہر ہے... لیکن کچھ نہ کچھ ہو ضرور رہا

ہے۔“

”انگل کو آئی جانا چاہیے... میں فون کرتا ہوں انہیں۔“ آصف نے کہا اور موبائل نکال کر ان کا نمبر دبایا... سلسلہ طے پر اس نے کہا:

”آپ چل پڑے ہیں یا نہیں۔“

”بہت گھبرائے ہوئے ہو آصف... میں چل پڑا ہوں... گھرتہ کرو۔“

”یہی تو مشکل ہے انگل۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”کیا مشکل ہے...“

”ہم فکر کیے بغیر رہ نہیں سکتے۔“

”اوہو... آخر ایب کیا ہو گیا ہے۔“

”آپ آجائیں... پھر بتائیں گے۔“

”اچھا۔“ انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

”اللہ کا شکر ہے... انگل چل چکے ہیں... اور بہت جلد

پہنچنے والے ہیں۔“

”چلو... اتنا تو ہوا۔“

اور پھر ان کے دروازے کی گھنٹی بجی... انداز انپکٹر

کا مران مرزا کا تھا... انہوں نے ایک دم دروازہ کھول دیا... انپکٹر کا مران مرزا السلام علیکم کہتے ہوئے اندر آ گئے... انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا... اب انہوں نے پورے گھر پر نظر ڈالی اور پریشان سے ہو گئے:

”گھر میں کوئی بات تو خیر ہے... چوتھ بتاؤ... کیا جانا چاہتے ہو۔“

”ہمارے گھر میں ایک شخص نے پناہ لی ہے... اس کی کہانی بہت عجیب ہے... ہم نے اس کی کہانی سنی تھی کہ تین آدمی آ گئے... انہوں نے دروازے پر دستک دی اور دھمکی دی کہ دروازہ کھول دو... ورنہ ہم دروازے کو آگ لگا دیں گے... وہ تینوں ایک آواز ہو کر بات کر رہے تھے... اور ڈرا بھی فرق نہیں آ رہا تھا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چوٹے۔

اب آصف نے انہیں پوری تفصیل سنا دی... انپکٹر کا مران مرزا نے اس کے خاموش ہوتے ہی کہا:

”تمہارا مطلب ہے... انوار فخری اس وقت ہمارے

گھر کے محفوظ حصے میں موجود ہے اور وہ تینوں ڈرائنگ روم میں

ہیں۔“

”جی ہاں ایسی بات ہے۔“

”آؤ... دیکھتے ہیں۔“

انہوں نے کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے... اندر داخل ہونے پر انہوں نے دیکھا... وہ تینوں گہری خند سوئے ہوئے تھے... اسپیکر کا مران مرزا نے انہیں بلایا جلا... لیکن ہوش میں نہ آئے... انہیں بہت حیرت ہوئی... انہوں نے ان کی نبض وغیرہ چیک کی... وہ معمول پر تھی...

”یہ کیسی خند ہے۔“ اسپیکر کا مران مرزا بڑبڑائے۔

”حیرت انگیز خند ہے۔“ آفتاب بولا۔

اسپیکر کا مران مرزا اسے گور کر رہ گئے... پھر بولے
”ان کے تو ابھی جاگنے کا کوئی امکان نہیں... آؤ...

انوار فخری سے ملاقات کریں۔“

”جیلے۔“ تینوں ایک ساتھ بولے۔

اور وہ باہر نکل آئے... ان کے گھر میں ایک خفیہ جگہ تھی... اس خفیہ جگہ کا دروازہ وہی کھول سکتے تھے... انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ اندر انوار فخری بہت

پریشان نظر آیا... انہیں دیکھتے ہی وہ بول تھا۔

”شکر ہے... آپ آئے تو... ان کا کیا بنا... اوہ...“

آپ غالباً اسپیکر کا مران مرزا ہیں۔“ وہ چونکا۔

”جی ہاں... میں آپ کی کہانی آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔“

”جی ضرور... کیوں نہیں۔“

اب وہ سب بیٹھ گئے... انوار فخری نے اپنی کہانی پھر شروع کی... اسپیکر کا مران مرزا غور سے سنتے رہے... آخر اس کے خاموش ہونے پر بولے:

”کہانی بہت عجیب اور خوفناک ہے... گویا وہ تینوں

آپ کو اس جرم میں ہلاک کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ان کا مطالبہ نہیں مانا... اس صورت میں آپ ہمارے لیے قابلِ قدر ہستی ہیں... اس میں شک نہیں... ملک دشمن طاقتیں آج کل اس قسم کی بہت کوششیں کر رہے ہیں... یہ لوگ ملک کا نقصان کرنے کے درپے رہتے ہیں ایسا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں... یہ تینوں بھی اسی سلسلے کے لوگ ہیں... خیر میں ان سے بیٹ لوں گا... اور آپ فکر نہ کریں... اللہ نے چاہا تو ہم

انہیں آپ تک نہیں آنے دیں گے۔“

”بہت بہت شکریہ... آپ بہت اچھے ہیں... اس نے پرسکون ہو کر کہا۔

”تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں... اب ہم پہلے ان تینوں کی خبر لے لیں... آپ آرام کریں۔“

”اب میرا اطمینان ہو گیا ہے... میں آرام کر سکتا ہوں۔“ وہ مسکرا دیا۔

اوپر آ کر وہ سیدھے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے... فوراً ہی انہیں ایک عجیب سا احساس ہوا... وہ جلدی سے باورچی خانے میں داخل ہوئے۔ بیگم کا مران مرزا اندر نہیں تھیں۔

”بیگم... تم کہاں ہو؟“ الپکٹر کا مران مرزا پکارے۔

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا

”آفتاب... جلدی سے چھت پر جا کر دیکھو۔“

آفتاب نے دوڑ لگا دی... بیگم کا مران مرزا اوپر بھی نہیں تھیں...

”بیگم... کہاں ہو۔“ وہ بندہ آواز میں پکارے...

ان کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔

اب تو انہوں نے ڈرائنگ روم کی طرف دوڑ لگا

دی... اور پھر وہ دھک سے رہ گئے... ان کا اوپر کا سانس اوپر

اور نیچے کا نیچے رہ گیا... آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں...

وہ تینوں ڈرائنگ روم میں نہیں تھے۔

☆☆☆☆☆

آئے... نہ بیگم کا مران مرزا:

”کمال ہے۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

انہیں اس وقت چکر پر چکر آتے محسوس ہو رہے تھے...
پھر انہیں ایک اور خیال آیا... انہوں نے خفیہ حصے کی طرف دوڑ
کا دی... اس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے...

انوار فخری پر سکون انداز میں بیٹھا نظر آیا... انہیں
تجے دیکھ کر اس نے کہا:

”کیسے کیا رہا۔“

”حالات عجیب و غریب ہیں... لیکن آپ کو فکر مند
ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”لیکن ہم کہتے ہیں... آپ کو فکر مند ہونے کی
ضرورت ہے۔“ ان تینوں کی سرد آواز سنائی دی۔

”کک... کیا مطلب؟“ وہ بڑی طرح اچھلے۔

”تم لوگ اس وقت ہمارے جال میں ہو... چاہو تو
بوابل کے ذریعے مدد منگوا لو... ہمیں کوئی اعتراض نہیں
ہوگا۔“

انسپکٹر کا مران مرزا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

خوف

”حیرت ہے... یہ تینوں کہاں بچے گئے... بیگم کہاں
ہے... آصف... میری دروازہ دیکھو۔ اندر سے کھلا ہے۔ بند
... ڈرائنگ روم کا بیرونی دروازہ تو اندر سے بند ہے، اس کا
مطلب ہے... وہ اس طرف سے باہر نہیں گئے۔“

آصف دوڑ کر باہر گیا... اور فوراً ہی واپس آیا
... اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا:

”در... دروازہ اندر سے بند ہے۔“

”حیرت ہے... اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ وہ کمر
سے باہر نہیں گئے...“

اب انہوں نے پورا کمر دیکھ ڈالا... نہ وہ تینوں نظر

”ہم مدد کیوں منگوائیں... یہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”یہاں ابھی... آپ لوگوں کی موجودگی میں۔“

انوار فخری کو قتل کیا جائے گا... آپ دیکھتے رہ جائیں گے...

”سنو! کامران مرزا... تم اپنا زور لگا لو... انہو

فخری کو بچانے کے لیے جو کرنا چاہو کر لو۔“

”اچھی بات ہے...“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا... پھر انوار فخری

سے بولے۔

”آپ ہمارے ساتھ آئیں۔“

وہ اسے لے کر اوپر آئے... لائبریری کی طرف

بڑھے... انہوں نے اس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔

مگر... ساتھ ہی دروازہ اندر سے بند کر لیا:

”کیا آپ میرے لیے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔“

”آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں... ہم آپ

کے ساتھ ہیں رہیں گے اور اگر ان تینوں نے حملہ کیا تو اس

کو اپنی جان پر لیس گے... آپ پر آنچ نہیں آئے دیں گے۔“

”آپ... آپ لوگ عجیب ہیں... بلکہ بہت ہی عجیب

... دوسروں کے لیے... جنہیں ایک دن پہلے آپ جاننے بھی

نہیں تھے... ان کے لیے جان دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔“

”آپ نے ایک مقصد کے لیے ان لوگوں سے دشمنی کی

ہے... ہم آپ کی مدد کیوں نہ کریں...“ انسپکٹر کامران مرزا

نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”سوال یہ ہے انکل... وہ تینوں گھر سے نکل کیسے

کئے... جب کہ۔“

”ہم اس جائزہ لیں گے... لیکن پہلا مرحلہ ہے۔

انکی حفاظت کا۔“

”ان تینوں نے بتایا تھا... یہ لوگ انکل جمشید کی طرف

میں کام دکھا آئے ہیں اور شوکی برادرز کی طرف بھی۔“

”اوہ اچھا... تب تو ان سے کچھ معصومات مل سکتی

ہیں۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے انسپکٹر جمشید کے نمبر ملائے... لیکن

ان کا موبائل بند تھا... گھر کے نمبر پر فون کیا تو بیگم جمشید کی

آواز سنائی دی۔

”السلام علیکم بھابی... کہاں ہیں یہ لوگ۔“

”ایک جیسے تین آدمیوں کے چکر میں نہ جانے کہاں پھر
ارہے ہوں گے۔“ وہ بولیں۔

”اوہ... اوہ۔“

”یہ آپ نے دوبارہ اوہ اوہ کیوں کہا؟“ وہ چٹکیں۔

”وہ تینوں اب ہماری طرف آچکے ہیں۔“

”حیرت ہے... آخر یہ ہیں کیا بلا۔“

”بہت جلد ہم معلوم کر لیں گے اور آپ کو بتائیں۔“

... اچھا السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔“

فون بند کر کے انہوں نے شوکی برادرز کے نمبر دائر
کیے... لیکن ان سے بھی رابطہ نہ ہو سکا۔

”خیر... دیکھا جائے گا... انوار فخر۔“

صاحب... آپ اس طرف آرام کریں... لیٹ جائیں۔

اور بے فکر ہو جائیں۔“

”میں آپ لوگوں کے لیے فکر مند ہوں۔“

”یہ ہمارا روز کا کام ہے... آپ پریشان نہ ہوں۔“

”تو وہ تینوں غائب ہو گئے ہیں۔“

”ہاں! گھر سے پراسرار طور پر غائب ہیں... جب کہ
دروازے اندر سے بند ہیں۔“

”کیا...“ وہ چلا اٹھا... آنکھیں مارے خوف کے
پھیل گئیں۔

”لیکن آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”کیا یہ بات انوکھی نہیں۔“

”بعض لوگ پراسرار اقوتوں کے مالک ہوتے ہیں

... ان تینوں میں بھی ایسی کوئی بات ہے... اور شاید اسی لیے

ایسے ایسا کام سوچا گیا ہے... کہ ہم جیسے دگ بھی

چکرا جائیں... آفتاب، آصف... فرحت تم چوکس رہو... میں

ذرا ایک بار پھر گھر کا کونہ کونہ چیک کرنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں۔“ انوار فخری نے خوف کے عالم میں کہا۔

”کیا ہوا...“

”آپ نہ جائیں... میرے خوف میں یکا یک بہت

اضافہ ہو گیا ہے۔“

”اچھا خیر... آفتاب، آصف... تم دونوں گھر کا

جانچ لے آؤ۔“

”نہیں۔“ انوار نے پھر اسی طرح کیا۔

”کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”یہ بھی نہ جانیں... آپ لوگ یہیں رہیں۔ میں

محسوس کر رہا ہوں... کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔“

”یہ آپ کا وہم ہے... آپ پریشان نہ ہوں۔“

”بس آپ چاروں یہیں رہیں۔“

”لیکن ہمارے گھر کا ایک فرد باہر بھی ہے... میں

اس کی خیریت بھی تو معلوم کرنی ہے... میں دروازہ کھوں ر

معصوم کر لیتا ہوں۔“ انہوں نے کہا اور دروازہ کھول ڈالا۔

پھر پکارے:

”بنگم... تو خیریت سے تو ہو۔“

بنگم کامران مراد کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ

ملا وہ ایک بار پھر پکارے

”بنگم... تم کہاں ہو۔“

ان کی طرف سے اب بھی جواب نہ ملا... اب تو وہ

سب پریشان ہو گئے...

”اب ہم میں سے کسی کو تو باہر جا کر دیکھنا پڑے گا۔“

”ٹھیک ہے... مجبوری ہے۔“ انوار نے ڈرے

ڈرے انداز میں کہا۔

پھر الیکٹرک کامران مرزا باہر نکل گئے... آصف نے

دروازہ اندر سے بند کر لیا...

”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

”اب تو ہمیں بھی لگ رہا ہے۔“

”کیا کہا... آپ کو بھی ڈر لگ رہا ہے۔“

”ہاں! ہم پر اسرار حالات میں گھر گئے ہیں... وہ

تینوں کچھ بے دودگر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں... اور جادو گروں

سے ہمارا واسطہ عام طور پر نہیں پڑا...“ آصف نے کھوئے

کھوئے انداز میں کہا۔

”اوہ... اوہ۔“ انوار کہتے کہتے رک گیا... اب اس

کے چہرے پر بے تحاشہ خوف پھیل چکا تھا۔

”اور کیا؟“

”لگتا ہے... میرا آخری وقت آگیا... آپ لوگ

اس بات کے گواہ ہیں... میں نے یہ جو کچھ کیا... اپنے وطن کے

لیے کیا... مجھے اپنے وطن سے بہت محبت ہے... میرے ملک کو

کوئی نقصان پہنچائے۔ میرے قومی ہیروؤں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ دشمن کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرے، جس سے ان ہستیوں کی شان میں حرف آئے۔۔۔ یہ میں ہرگز پسند نہیں کرتا۔۔۔ ان لوگوں نے احتجاج بھی کیا تو میرے۔۔۔ اس لیے کہ یہ جانتے تھے۔۔۔ میں یہ بات منظور نہیں کروں گا۔۔۔ اب یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔۔۔ کیونکہ یہ ان معادلات کو شہرت دینا چاہتے ہیں۔۔۔ تاکہ اخبارات میں اس کا خوب چرچا ہو۔۔۔ لگتا ہے۔۔۔ ہمارے ملک کو کوئی اس قسم کا طوفان اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے۔۔۔ اللہ ہمارے ملک کی حفاظت کرے۔۔۔ پہلے توڑے طوفان۔۔۔

وہ کہتے کہتے رک گیا۔۔۔ اس نے کرسی کی پشت سے سر نکال دیا اور کمرے کی چھت پر نظریں جمادیں

”آپ کہتے کہتے رک گئے۔۔۔ ہم آپ کی باتوں کی قدر کرتے ہیں۔۔۔ آپ کے جذبات بہت اعلیٰ ہیں۔۔۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں۔۔۔ آپ کی باتیں ہمیں اپنے دلوں میں اترتی محسوس ہو رہی ہیں۔۔۔ آپ رک کیوں گئے۔۔۔ آگے بھی کہیے نا۔“

عین اس لمحے باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔۔۔ ان کی توجہ فوراً دروازے کی طرف ہو گئی۔ ساتھ ہی الیکٹرک کا مران مرزا کی آواز سنائی دی:

”آفتاب! دروازہ کھولو۔“

اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔۔۔ اسے اپنے والد کے چہرے پر ہوائیاں اترتی محسوس ہوئیں:

”کک۔۔۔ کیا ہوا ابا جان۔“

”تمہاری امی کا کوئی پتا نہیں۔۔۔ نہ وہ تینوں کہیں ہیں اور دروازے اندر سے بدستور بند ہیں۔“

”نن۔۔۔ نہیں۔۔۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”اور ادھر کیا حال ہے۔۔۔ انوار فخری کے خوف میں اضافہ ہو رہا ہوگا۔“

”جی ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ ابھی ابھی ان لوگوں کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔۔۔ ایسے میں آپ آگئے۔“

الیکٹرک کا مران مرزا نے اندر نظر ڈالی۔۔۔ پھر در سے اچھلے۔۔۔ ان کی آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے پھیل گئیں

جزیرہ

”کیا ہوا اکل... اتا جان۔“ تینوں چلا اٹھے۔

”انوار فخری۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

تینوں اس کی طرف مڑے اور پھر ان کے منہ سے بھی
مارے حیرت کے نکلا۔

”ارے باپ رے... یہ بے چارے تو چپے بھی گئے
اور ہمیں پتا بھی نہیں چلا۔“ آفتاب بولا۔

”حیرت ہے... آخر یہ کیسے ہو گیا...“

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا اندر آ گئے اور انوار
فخری کی لاش کا بخور جائزہ لینے لگے:

”کمرے میں کوئی آیا نہ گیا... اور یہ جذباتی انداز

... ساتھ میں وہ چلائے
”نن... نہیں۔“

☆☆☆☆☆

میں باتیں کرتے کرتے رک گئے... انہوں نے سرکری کی پشت پر ٹکا دیا... آنکھیں چھت کی طرف دیکھتی نظر آئیں... ہم نے سمجھا خیالات میں گم ہو گئے ہیں...

”ہوں۔“ انپکڑ کا مران مرزا بڑا بڑا پھر چونک کر بولے:

”ان کی پیشانی میں ایک زہریلی سوئی ہے... اس ہ مطلب ہے، ان کی موت زہر سے ہوئی ہے۔“

”لیکن انکل... سوئی جسم میں داخل کیسے کی گئی؟“

”شاید ان صاحب نے سوئی اپنی پیشانی میں خود گھونپی ہے۔“

”لیکن بھلا یہ خودکشی کیوں کرتے... یہ تو کمزور ہمت کے آدمی تھے ہی نہیں۔“

”میں غور کر رہا ہوں... اب لگتا ہے... جیسے یہ پٹا ٹوم کا کیس ہے... دیکھو، وہ تینوں ہمارے گھر میں تھے... لیکن اب نظر نہیں آرہے... حالانکہ دروازے اندر سے بدستور بند ہیں... بیگم غائب ہیں... یہ سب کیا اس طرف اشارہ نہیں کر رہے کہ یہ سارا چکر پٹا ٹوم کا ہے...“

”سوال یہ ہے کہ، می جان کہاں ہیں... وہ تینوں کہاں ہیں۔“

”ابھی دیکھ لیتے ہیں۔“

دو کمرے سے نکل آئے... انہوں نے دیکھا... بیگم کا مران مرزا بدورچی خانے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔

”کیا ہو گیا آپ لوگوں کو... کیوں حیران پریشان ہیں۔“

”حد ہو گئی... کہاں تھیں بیگم تم۔“

”میں یہیں تھی... بدورچی خانے میں۔“

”کیا کہا...“ یہ کہتے ہی وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے... جونہی اندر داخل ہوئے... دھک سے رہ گئے... اندر وہ تینوں گہری نیند میں نظر آئے... انہوں نے انہیں ہلایا... بلایا... لیکن ان کی آنکھیں نہ کھلیں... آخر انہوں نے سب انپکڑ شاہد کو فون کیا...

وہ جلد ہی اپنے ماتحتوں کے ساتھ پہنچ گیا... اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا... ساتھ ہی انہوں نے کہا

”ان تینوں کو بھی ہسپتال پہنچا دو... پتا نہیں یہ بے ہوش

ہیں... یا کیا چکر ہے... اور ہاں! ان کی نگرانی بھی کی جائے گی۔“

”او کے سر... آپ کا مطلب ہے... انہیں حوالات

میں نہیں رکھنا۔“

”نہیں... ہوش میں آنے کے بعد یہ جہاں جانا چاہیں

، جاسکتے ہیں... لیکن ان کی نگرانی کی جائے۔“

”بہت بہتر سر۔“

دوسرے دن سب انسپکٹر شاہد کا فون موصول ہوا...

حیرت زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”سر! آج صبح سویرے ان تینوں کو ہوش

آگیا تھا... وہ اٹھ کر ہسپتال سے نکل آئے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ

کر وہاں سے روانہ ہو گئے... ہم نے تعاقب کیا... تعاقب کا

سلسلہ ساحل سمندر پر ختم ہوا ہے۔“

”او ہوا چھا... وہاں سے وہ کہاں گئے۔“

”ایک لالچ میں بیٹھ کر چل دیے... وہ ساحل بے آباد

ساحل ہے... وہاں کوئی تفریحی لالچیں نہیں ہیں... لہذا ہم ایک

دوسرے کا متددیکھتے رہ گئے۔“

”اوہ... خیر... اس میں تمہارا کیا قصور... پوسٹ

مارٹم کی رپورٹ کیا کہتی ہے۔“

”وہی... ذہر کی کہانی۔“

”اچھی بات ہے... اس کی تصویر اخبارات کو دے

دو... تاکہ اس کے لواحقین آجائیں... اور لاش لے

جائیں۔“

”او کے سر۔“

”کون سا ساحل بتایا۔“

”وہاں کسی زمانے میں ایک ہوٹل ہوتا تھا... ہوٹل کا

نام تھا... نیلاب۔ اب اسی نام سے یہ ساحل پہچانا جاتا ہے...

یعنی نیلاب ساحل۔“

”شکریہ۔“

اب وہ ان کی طرف مڑے۔

”ہمیں نیلاب ساحل جانا ہے۔“

”ہم تیار ہیں... ویسے اس کیس کا سرچر سمجھ میں نہیں

آیا۔“

”انوار فخری کو ختم کرنا ان لوگوں کے لیے کچھ مشکل کام

نہیں تھا... اسے جان بوجھ کر ہمارے گھر تک آنے دیا گیا... شاید ان کے کسی ساتھی نے ہی اسے مشورہ دیا ہو گا کہ ان حالات میں انسپکٹر کا مران مراد دکر سکتے ہیں... سو وہ ہمارے دروازے پر پہنچ گیا... اصل میں تو انہیں ہمیں اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا... دراب حانات اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ میری کسی جزیرے پر لے جانا چاہتے ہیں... تم دیکھ لو گے... سمندر میں ہمیں خود بخود جزیرے کا راستہ نظر آ جائے گا...“

”تب تو وہ جزیرہ ہمارے لیے موت کا جزیرہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔“

”اور ہمارے لیے کون سا جزیرہ موت کا جزیرہ نہیں ثابت ہوتا۔“ انسپکٹر کا مران مرزا مسکرائے۔

”تو کیا... اس جزیرے پر انکل جمشید بھی ہوں گے... اور شوکی برادرز بھی ہوں گے۔“ آفتاب پر جوش لہجے میں بولا۔

”شاید... امکان تو یہی نظر آ رہا ہے۔“

اور پھر وہ ساحل پر پہنچ گئے... ایک لالچ کا انہوں نے پہلے ہی انتظام کر لیا تھا... لالچ کا ڈرائیور اس کے کنارے پر

کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا... وہ گاڑی سے اترے اور لالچ پر سوار ہو گئے

”کس طرف چلنا ہے سر۔“

”یہاں سے تو بالکل سیدھے ہی چلیں گے... کچھ آگے جا کر کسی لالچ کے آثار نظر آئیں گے... اس وقت میں بتاؤں گا کہ کس طرف چلنا ہے... ویسے ان اطراف میں آگے جا کر کیا کوئی جزیرہ ہے۔“

”معلوم نہیں سر... اس لیے کہ میں اس طرف پہلے کبھی نہیں آیا۔“

”خیر کوئی بات نہیں... آپ چلیں۔“

لالچ چل پڑی... جلد ہی انہیں کچھ فاصلے پر ایک لالچ جانی نظر آئی... انسپکٹر کا مران مرزا مسکرا دیے اور بولے۔

”دیکھا... میں نے کیا کہا تھا... یہ لوگ تو خود ہمیں اس جزیرے پر لے جائیں گے۔“

”جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔“

اب وہ اس لالچ کی طرف بڑھنے لگے... کافی دیر کے بعد بھی درمیانی فاصلہ کم نہ ہو سکا... اگلی لالچ بھی کافی

رفتار پر جاری تھی...

دوستوں کے سفر کے بعد اگلی لالچ کی نظر آئی اور بڑے
والا درخت ایک جزیرے کا پتہ دیتے نظر آئے:

”لو بھئی... جزیرہ آگیا۔“

”مطلب یہ کہ تھا جس کا انتظار، وہ شاہکار آگیا۔“

آفتاب بولا۔

وہ مسکرا دیے۔ پھر ان کی لالچ بھی جزیرے سے
آگئی... لالچ سے اتر کر وہ جزیرے کے ساحل پر پہنچے تو انہیں
کامران مرزا بہت زور سے اچھلے:

”ارے! یہ کیا؟“

”کیا ہوا اکل۔“ فرحت گھبرا گئی۔

”وہ دیکھو... اگلی لالچ ساحل پر کھڑی ہے...“

اسے رسی سے باندھا نہیں گیا...

”مطلب یہ کہ لالچ والوں کو اس پر بہت اعتبار ہے۔“

یہ ادھر ادھر نہیں جائے گی۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”یار چپ رہو... ہر وقت بے ٹکی نہ ہانکا کر دو۔“

آصف جھٹکا اٹھا۔

”اچھا بھئی... تم تک کی ہانک لو۔“ اس نے منہ

بٹایا۔

انہوں نے اپنی لالچ کو ایک درخت سے باندھ دیا...
درحیرت زدہ سے آگے بڑھے... رسی کے بغیر لالچ اپنی جگہ
کھڑی تھی... جب کہ پانی میں زوردار لہریں بار بار آ جا رہی
تھیں... اسی لیے یہ بات ان کے لیے حیرت کی تھی...

جزیرے پر انہیں ہر طرف بہت بلند درخت نظر
آئے... وہ زیادہ گھنے نہیں تھے... لیکن بلند بہت تھے اور تھے
کی بالکل سیدھے... ان پر ناریل جیسے بڑے بڑے پھل بھی
گئے نظر آئے۔

”ان پھلوں کو کھا کر دیکھنا چاہیے۔“ آفتاب بڑبڑایا۔

”بھوک لگ رہی ہے کیا۔“

”جی ہاں! گلی کیا ہے... خوب چمک اٹھی ہے۔“

”فکر نہ کرو... لالچ میں کھانے کے لیے بہت کچھ

”تو میں جا کر لے کیوں نہ آؤں۔“ آفتاب جلدی سے

وہ دور ہٹ آئے... اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے جلتی
لاٹج کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک دھماکے سے وہ بھی اڑ گئی... اس
کے کٹڑے بھی پانی پر جلتے نظر آئے

”افسوس! ہماری لاٹج کا ڈرائیور بھی مارا گیا... بے

چارہ...“

”اور... ابا جان۔“ آفتاب کہتے کہتے رک گیا۔

”اور کیا؟“

”ہم واپس کیسے جائیں گے... کیا اتنا فاصلہ ہم تیرے

طے کر سکیں گے۔“ اس نے کہا۔

”نہیں... لیکن ہم شہر سے مدد تو منگوا سکتے ہیں۔“

انہوں نے کہا اور اپنا موبائل نکال لیا... لیکن یہ دیکھ کر چونک

اٹھے... کہ موبائل کے سگنل بالکل غائب تھے...

”تم لوگ اپنے موبائل چیک کرو... ہمیں تبدیل

کر کے دیکھو۔“ انہوں نے جلدی سے کہا۔

ایسا بھی کیا گیا... لیکن سگنل پھر بھی نہ آئے۔

”مطلب... یہ... کہ ہم شہر سے مدد نہیں منگا

سکتے... خیر آؤ... دیکھا جائے گا... تم لوگ بے شک اتنی دور

تک نہیں تیر سکو گے... لیکن میرا خیال ہے کہ میں تیر کر ساحل تک
جاسکتا ہوں... اور پھر مدد یہاں تک لے کر آنا کوئی مشکل کام
نہیں ہوگا۔“

”اللہ مالک ہے۔“ فرحت نے جلدی سے کہا۔

اب وہ جزیرے میں آگے کی طرف چل پڑے... ان

بلند و بالا درختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے انہیں ایک
عجیب سا احساس ہو رہا تھا... لیکن وہ اس احساس کو سمجھ نہیں پا

رہے تھے... ”ویسے آفتاب! تم بال بال بچے... اگر چند منٹ

بعد تمہیں کھانے کی چیزوں کا خیال آتا تو تم بھی ڈرائیور کے

ساتھ سمندر کی لہروں پر سفر کر رہے ہوتے۔“

”ارے باپ رے۔“ اس کے منہ سے مارے خوف

کے نکلا۔

ایسے میں آصف کی نظریں جزیرے کی زمین پر پڑی

ایک چیز پر پڑی۔ وہ بہت زور سے اچھلا... اس کے منہ سے

نکلا۔

”انکل! یہ دیکھیے۔“

☆☆☆☆☆

خونناک بات

انہوں نے دیکھا، زمین پر آکڑا پڑا ہوا تھا... وہ اس آکڑے کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے... یہ ان کے ساتھی منور علی خان کا تھا۔ وہ اس کے گرد کھڑے ہو گئے... پھر انسپکٹر کامران مرزا نے اسے اٹھالیا... اس میں رسی نہیں تھی

”ہے تو یہ منور علی خان ہی کا... اس کا مطلب ہے...

وہ بھی اس جزیرے پر ہیں اور ہم سے پہلے پہنچ چکے ہیں... اب معلوم نہیں... انہیں یہاں لایا گیا ہے یا وہ خود پہنچے ہیں۔“

”مارے بے چینی کے میرا حال ہے... میں... میں رک نہیں سکتی۔“ یہ کہتے ہی فرحت دوڑ پڑی... ساتھ ہی اس نے جلا کر کہا:

”ابا جان!“

جواب میں منور علی خان کی طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دی... ان کی بے چینی اور بے قراری بڑھ گئی، قدم تیز تیز اٹھنے لگے اور پھر ان کے قدم ایک دم رک گئے... ان کے سامنے ایک بہت خوفناک منظر تھا... زمین پر ان کی قد سے ادھنی صلیب کاڑی گئی تھی۔ یہ صلیب پھل کی تھی... اس صلیب کے ساتھ منور علی خان کو لٹکایا گیا تھا... اور ایسے چڑے کے تسموں کی مدد سے کیا گیا تھا... تسمے ان کی کمر کی طرف بند کیے گئے تھے... ان کے ہاتھ، پیر اور دھڑ اس طرح کسے گئے تھے گیا تھا کہ وہ مل بھی نہ سکیں... پھر وہ ان کی طرف دوڑ پڑے... انہوں نے ان کی بغض دیکھی۔ بہت سست رفتار سے چل رہی تھی:

”اتنے کی مہربانی سے یہ زندہ ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا اچلائے۔

اور پھر انہوں نے پاگلوں کی طرح ان تسموں کو کھول ڈالا... باقی لوگ پہلے ہی انہیں پکڑے کھڑے تھے... تاکہ وہ دھڑام سے نیچے نہ گریں... جب تمام تسمے کھل گئے... تو انہوں نے انہیں آرام سے لٹا دیا... اب ان کے منہ میں پانی پکایا گیا... انہیں بلایا جلا یا گیا... آخر دس منٹ کی مسلسل

کوششوں کے بعد آخر انہوں نے آنکھیں کھول دیں... جونہی ان کی نظریں ان سب پر پڑیں... وہ کمزور آواز میں پکار اٹھے
 ”باقیوں کی خبر لیں... جلدی۔“

”کیا مطلب... کیا باقی بھی...“ اسپیکر کا مران مرزا جملہ پورا نہیں کر پائے تھے کہ منور علی خان نے پھر کہا۔
 ”ہاں ہاں... میری فکر چھوڑ... جلدی کرو بس مجھے کھانے کو کچھ دے دو۔“

اس وقت انہیں یاد آیا... آفتاب کی عقل مندی اس وقت بہت کارگر ثابت ہوئی تھی... اگر وہ لالچ سے کھانے پینے کی چیزیں نہ اٹھلاتا تو اس وقت ان کا کیا بنتا... درختوں پر پھل تو تھے... لیکن انہیں معلوم نہیں تھا... وہ کھانے کے قابل ہیں یا نہیں...

انہوں نے چند چیزیں ان کے پاس رکھ دیں اور آگے کی طرف دوڑ پڑے... وہ اڑے جا رہے تھے کہ ایک اور صلیب ان کے راستے میں آگئی... اس پر پروفیسر داؤد لٹکے ہوئے تھے۔

”ارے باپ رے... میں انہیں کھولتا ہوں... تم

آگے دوڑ لگا دو... کھانے پینے کے چند ٹیکٹ یہاں گرا تے جاؤ۔“

انہوں نے ایسا ہی کیا اور آگے کی طرف دوڑ پڑے... اب انہیں اس حالت میں اسپیکر جمشید نظر آئے... وہ ایک ایک کو کھولتے چلے گئے... پچھلے ساتھی ان سے آکر ملتے چلے گئے... اس وقت اسپیکر جمشید نے کہا۔
 ”ابھی آگے شوکی برادرز بھی ہیں۔“

”کیا!؟“ وہ چلائے۔

اس وقت تک محمود، فاروق اور فرزانہ کو کھولا جا چکا تھا... لیکن ابھی وہ بہت بڑھ چکا تھا... وہ انہیں چھوڑ کر آگے دوڑ پڑے... ایک ایک کر کے انہیں شوکی برادرز بھی مل گئے... دو گھنٹے بعد سب لوگ جزیرے کی زمین پر ایک دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے... آخر اسپیکر کا مران مرزانے ٹھنک کر نے میں پہل کی:

”آخر آپ یہاں کیسے آ گئے۔“

”شوکی برادرز کی خاطر۔“ اسپیکر جمشید مسکرائے۔

”آپ ہمیں تفصیل سنائیں... تاکہ کچھ اندازہ ہو۔“

انہوں نے اپنی طرف پیش آنے والے واقعات کے ڈالے... آخر میں جو فلم ان کے ہاتھ لگی تھی، اس میں انہوں نے بتایا:

”اس فلم میں ہمارے ملک کی ناکامی ثابت کر کے ہے۔ ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا تھا... لیکن اس سے بھی پہلے شوکی برادرز کو دکھایا گیا تھا، ان کے بارے میں واضح طور پر دکھایا گیا تھا کہ وہ صلیبوں پر لٹکے ہوئے ہیں... اور ایک جزیرے میں قید ہیں... ہم فوراً ان کے شہر پہنچے... وہاں سے ان کے حالات معلوم کیے اور پھر اس ساحل پر آئے... جس کے ذریعے آپ لوگ جزیرے پر پہنچے تھے... ساحل پر لالچ موجود تھی... لیکن اس میں کوئی نہیں تھا... ہم اس پر سوار ہو گئے تو وہ خود بخود پل پڑی... ہم سمجھ گئے کہ ریموٹ کنٹرول ہے اور بہر حال یہ لوگ ہمیں اس جزیرے پر سے جانا چاہتے ہیں... ہم کرتے بھی کیا... اس طرح جزیرے پر آ گئے... لیکن یہاں ہمارے لیے جال تیار تھا... شوکی برادرز کی آڑ میں ان لوگوں نے ہمارے ہتھیار لے لیے اور ہمیں باغی دیا...“

”چلیے خیر کوئی بات نہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”اب آپ اپنی طرف کی روداد سنائیں۔“
”ہوں۔“ انہوں نے کہا اور تفصیل سننے لگے...
آخر ان کی کہانی بھی مکمل ہو گئی۔ ان کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید نے کہا:

”مطلب یہ ہوا کہ اب وہ ہماری طرف سے بے فکر ہیں اور امن مانی کرنا چاہتے ہیں... اس غرض کے لیے ان گنت شکستہ ساز مارے ہیں... یہ پوری دنیا میں یہ کام کر رہے ہیں... لیکن پھر بھی ان لوگوں کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں ہم ان کے پروگرام کو درہم برہم نہ کر دیں... لہذا ہمیں اجزیرے میں پھینکا... لیکن وہ بھول گئے۔“ یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

”جی... وہ کیا بھول گئے۔“ فاروق نے فوراً کہا۔
”یہ کہ لالچ نے جو فاصلہ دو گھنٹے میں طے کیا تھا... ہم اتنے کم کر سکتے ہیں... کم از کم میں، انسپکٹر کامران مرزا اور منور علی خان... لہذا ہم میں سے دو چلے جائیں گے اور وہ د

لے آئیں گے... ایک باقی لوگوں کے ساتھ یہیں رہے گا...
کیوں... کیا پروگرام ہے۔“

”پروگرام زبردست ہے... ان کی امید کے خلاف
ہے... لیکن، افسوس۔“ شوکی کی آواز ابھری۔

”لیکن افسوس کیا مطلب۔“ فاروق نے اسے گھورا۔

”لیکن کا مطلب لیکن اور افسوس کا مطلب افسوس ہو

ہے۔“ شوکی نے بھی جواب میں اسے گھورا۔

”خیر تو ہے... بہت اونچے اڑ رہے ہو... ہم تم لوگوں

کے لیے دھکے کھائیں اور تم ہمیں آنکھیں دکھاؤ... یہ دن بھی

دیکھنا تھے...“ فاروق نے دردناک لہجے میں کہا۔

”مجھے افسوس ہے۔“ شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

”لیکن شوکی... تم کہنے کیا گئے تھے۔“ انسپکٹر کا مران

مرزا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”ہم لوگوں نے ایک بات محسوس نہیں کی... اور وہ

بات بہت خوفناک ہے۔“ وہ بولا۔

”خوفناک بات... کیا مطلب؟“ سٹی آواز پر

ابھریں۔

”دیکھو شوکی... ہم لوگ خوفناک باتیں سن کر تھک

چکے ہیں... مزید کوئی خوفناک بات سننے کی ہمت محسوس نہیں کر

رہے...“

”مجبوری ہے... ہمت کرنا ہوگی۔“ شوکی نے پریشانی

کے عالم میں کہا۔

”آخر... تم... کہنا کیا چاہتے ہو شوکی۔“ منور علی

خان نے قدرے تھلا کر کہا۔

”یہ کہ... آپ میں سے دو حضرات حیر کر ساحل پر نہیں

جاسکیں گے۔“

”تو ٹھیک ہے... ہم تینوں چلے جاتے ہیں۔“ انسپکٹر

بشید بیٹے۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”اچھا تو جو مطلب تھا... وہ کیوں نہیں بتا دیجے...“

آفتاب نے بھٹ کر کہا۔

”اکٹل آپ لوگوں کو کتنی دیر ہوگئی بھلا جبرے پر آئے

ہوئے۔“

”کافی دیر ہوگئی... کیوں۔“

”جب سے آپ آئے ہیں... اس وقت سے اب تک
 ہمارے ساحل سے جزیرے کا قافلہ برابر بڑھ رہا ہے۔“
 ”کیا کہا... کیا!!“

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

☆☆☆☆☆

متحرک جزیرہ

اب سب کے سب بھی شوکی کو دیکھ رہے تھے تو بھی
 جزیرے کو اور اس وقت تک وہ یہ بات محسوس کر چکے تھے کہ وہ
 جزیرہ ساکن نہیں تھا... برابر حرکت کر رہا تھا... اور اس کی
 حرکت بھی دوہری تھی... یعنی ایک تو وہ خود گھوم رہا
 تھا... دوسرے ہوا کے رخ سفر بھی کر رہا تھا... اب نہیں معصوم
 ہی تھا کہ وہ پہلے کہاں تھے اور اب کہاں ہیں... پنے ساحل
 سے پہلے کی نسبت دور ہو چکے تھے یا نزدیک یا پھر کسی اور سمت میں
 بڑھ رہے تھے... چند لمحے تک ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی
 بات نہ نکل سکی... آخر انسپکٹر جشید نے کہا

”گھبرانے، پریشان ہونے اور ہمت ہارنے سے کچھ

کس ہو گا... پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ان درختوں پر جو چل

گھے ہوئے ہیں، یہ کھانے کے قابل ہیں یا نہیں... تاکہ ہم کم از کم اس بات سے بے فکر ہو جائیں... ہمیں بھوک پیاس کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا... ورنہ پھر ہم اپنی خوراک کو بہت زیادہ احتیاط سے کام میں لائیں گے۔“

”بالکل ٹھیک۔“

”اور دوسری بات ہمیدہ...“ انہوں نے پروفیر داؤد کی آواز سنی... سب فوراً ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”میرے پاس سمت بتانے کا ایک نسخہ سا آلہ ہے... یہ آلہ کھونا نما ہے... مجھے اغوا کرنے والوں نے اس آلے کو کھلوا دیا۔ خیالی کیا تھا اور طرہ یہ لہجے میں کہا تھا... اس کھلونے کو پروفیر صاحب کی جیب میں ہی رہنے دو... بے چارے کھیل لیا کریں گے...“

”بہت خوب... تب تو ہم معلوم کر سکتے ہیں... ہمارا یہ متحرک جزیرہ کس طرف بڑھ رہا ہے۔“

”ہاں کیوں نہیں...“

انہوں نے جیب سے آلہ نکالا... اسے آن کیا اور جھلی پر رکھ لیا... فوراً ہی انہوں نے کہا

”جزیرہ مغرب کی طرف بڑھ رہا ہے... گو یا مشرق سے دور ہوتا جا رہا ہے... اور ہمارے ساحل کا رخ مشرق میں ہے... گو یا قاصد بڑھ رہا ہے۔“

”اوہو! ارے...“ ایسے میں فرزانہ اچھل پڑی۔

”جلدی کہو... کیا بات سوچہ گئی۔“ انسپکٹر جمشید سکرانے۔

”اب جب کہ ہمیں سمت معلوم ہو گئی ہے... تو ہم اس جزیرے کو عام تو خیال کر سکتے ہیں۔“

”صرف خیال کرنے سے کیا ہو جائے گا۔“ آفتاب نے حلقہ کر کہا۔

”ہاں اور کیا... ہمارے پاس کون سا چوبہ ہیں... کہ بچے ملک کی طرف اس کشتی کو کھینچ لگ جائیں گے۔“

”تو چوبہ بتائے تو جاسکتے ہیں۔“

”اوہ کیوں نہیں... محمود کے جوتے کی ایڑی میں چاقو موجود ہے... اس سے بہت آسانی سے چھو تیار ہو سکتے ہیں۔“

”پہلے پھل دیکھ لیتے ہیں۔“

انہوں نے پھل پکھ کر دیکھے... وہ بہت کڑوے اور بد

مڑہ تھے... مطلب یہ کہ کھائے نہیں جاسکتے تھے
 ”اب ہمیں بہت احتیاط سے خوراک استعمال کرنا
 ہوگی۔“

”لیکن کیوں؟“ فرحت بول اٹھی۔

”لیکن کیوں کیا؟“

”مطلب یہ کہ ہم ایک بڑی مچھلی شکار کر سکتے ہیں...

اور اسے بھون کر استعمال میں لاسکتے ہیں۔“

”اور آگ کیسے جلائیں گے۔“

”میرے پاس لکڑ ہے...“ منور علی خان نے

بولے۔

”مڑہ آگیا۔“

اب انہوں نے چوبنانے کا کام شروع کر دیا... چند

گھنٹوں میں بہت بڑے بڑے چوتیر ہو گئے... پھر منور علی خاں

محمود کا چاقو لے کر پانی میں اتر گئے اور ایک بہت بڑی مچھلی شکار

کر لائے... اسے بھونا گیا... مڑے لے لے کر کھایا گیا

... خوب سیر ہونے کے بعد انہوں نے چوسنبھال لیے... اور

دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے... ان کو چلانے لگے... پہلے

جزیرے کو بریک لگا... پھر اس کا رخ مشرق کی طرف ہو گیا
 ... لیکن یہ کام بہت صبر آزما تھا... جزیرہ اب جنوبی کی رفتار
 سے ان کے ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا... لیکن یہ بھی لازمی نہیں
 تھا کہ وہ اپنے ساحل پر ہی پہنچے... وہ کسی اور ساحل پر بھی پہنچ
 سکتے تھے... بہر حال ان کا یہ سفر جیسا بھی تھا... جاری تو تھا...
 اور انہیں امید تو بندھ گئی تھی... ضرورت پڑتی تو مچھلی شکار کر
 لیتے اور کھا لیتے... پانی بہت کم استعمال کر رہے تھے...

اس طرح انہیں سات دن اور سات رات تک سفر کرنا

پڑا... چھو چلاتے چلاتے ان کے ہاتھ شل ہو گئے... اس قدر

طویل حد تک چھو چلانے کا اتفاق انہیں پہلی بار ہوا تھا اور آخر

آخر میں دن انہیں ساحل کے آثار نظر آنے لگے... ان کے

چہرہ پر رونقیں آ گئیں... پھر لہو بہ لہو وہ نزدیک ہوتے چلے

گئے... ساحل بے آباد نہیں تھا... وہ غالباً کوئی تفریحی مقام تھا

... لوگ گھوم پھر رہے تھے... ان کا جزیرہ انہیں نظر آیا تو وہ

سب ساحل پر آ گئے اور لگے انہیں گھورنے... تب انہیں معلوم

ہوا... وہ اپنے ملک کے ساحل پر نہیں پہنچے تھے... تاہم وہ

ساتھ والے ملک کے لوگ نظر آ رہے تھے... اور جو بھی ساحل پر

موجود لوگوں کو اس بات کا احساس ہوا... ان میں سے کسی نے ساحلی پولیس کو خبردار کر دیا... وہاں فوراً ہی پولیس کافی تعداد میں آگئی اور ان کی طرف راتھلیں تان دی گئیں۔

”آپ لوگ جو بھی ہیں... ہاتھ اوپر اٹھا کر ساحل پر آجائیں...“ انگریزی میں کہا گیا۔

”اچھی بات ہے۔“

وہ ساحل پر پہنچ گئے... انہیں فوراً گرفتار کر لیا گیا... اور پولیس اسٹیشن لے جایا گیا... وہاں ان کی کہانی سنی گئی... پھر وہاں بڑے بڑے آفیسر پہنچ گئے... انہوں نے بھی کہانی سنی... وہ ملک دراصل ان کی مغربی سرحد کا پڑوسی ملک تھا۔ اور دونوں ممالک کے تعلقات ان دنوں خراب تھے... اس لیے پولیس آفیسر کے چہرہ پر سختی کے آثار تھے... آخر ان میں سے ایک نے کہا:

”میں نے اخبارات میں آپ لوگوں کی تصاویر دیکھی ہیں... آپ ضرور دعی ہیں... جو اپنے آپ کو بتا رہے ہیں... ہم پہلے حکام بالا سے بات کرتے ہیں... پھر آپ کے ملک کے ذمے دار لوگوں سے بات کی جائے گی... ظاہر ہے... اس

میں دو تین دن تک تو لگ جائیں گے... اس وقت تک آپ کو بہر حال حوالات میں رہنا پڑے گا۔“

”آپ چاہیں تو فوری طور پر ہمارے ملک سے بات ہو سکتی ہے... میں ابھی کر دیتا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”ہم اس سطح کے آفیسر نہیں ہیں... یہ بات تو ظاہر ہے وزارت خارجہ تک جائے گی... ہمارے دفتر خارجہ کی بات آپ کے دفتر خارجہ سے ہوگی۔“

”لیکن کیوں... ہمارے ملک کے سفیر سے بھی تو اس سلسلے میں بات کی جا سکتی ہے۔“

”اوہ ہاں... یہ بات بھی ہے۔“

”بلکہ یہ زیادہ آسان ہے۔“

”ٹھیک ہے...“

اور پھر انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا... دو دن تک ان سے کسی نے کوئی بات نہیں کی... وہ لوگ بڑی طرح بیچ و تاب کھا رہے تھے۔ آخر تیسرے دن ایک آفیسر وہاں آیا اور ادھر ادھر کے بے شمار سوالات پوچھ کر چلا گیا۔ تب انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اشاروں میں یہ خیال ظاہر

کیا... یہ لوگ ہرے ہارے میں کچھ کرنے کے سلسلے میں سنجیدہ نہیں ہیں... ہمیں خود ہی کچھ کرنا ہوگا:

”ٹھیک ہے... میں شروع کرتی ہوں۔“

فرزانہ نے کہا اور پھر اچانک اس کے منہ سے دل دوز جیج نکلی گئی... وہ تر سے گری اور بے ہوش گئی... ساتھ ہی ان سب نے شور مچا دیا... آخر تین کانسیبل دوڑ کر سلاخوں سے آگے:

”کیا بات ہے... کیسا شور ہے۔“

”بچی اچانک بے ہوش ہو گئی ہے... مہربانی فرما کر کسی

ڈاکٹر کو بلایا جائے۔“

”ٹھیک ہے... گھبراہٹیں نہیں۔“

دوسرا خوں سے لہلہا گئے... تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر آتا نظر آیا... چار کانسیبل راتقلیں لیے حوالات کے سامنے کھڑے ہو گئے... پھر ڈاکٹر کے لیے دروازہ کھولا گیا... ڈاکٹر اندر داخل ہوا... انیسٹر جیشید فوراً آگے بڑھے... اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا... ایسے میں انیسٹر کا مران مرزا بھی ڈاکٹر کے نزدیک آگئے اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے

”ڈاکٹر صاحب... مہربانی فرما کر بچی کو دیکھیے... نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔“

”فکر نہ کریں۔“

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے فرزانہ کا معائنہ شروع کر دیا... پھر اس نے اسے ایک انجکشن دیا... اور انتظار کرنے لگا... وہ سب میکر مکر فرزانہ کو دیکھ رہے تھے... آخر اس نے آنکھیں کھولیں۔

”اللہ کا شکر ہے۔“ انیسٹر جیشید چمک کر بولے۔

”مجھے کیا ہوا تھا۔“

”پتا نہیں... اچانک تمہارے منہ سے ایک جیج نکلی اور برقم بے ہوش ہو گئیں۔“

”اس کا مطلب ہے... یہ پہلے کبھی اس طرح بے ہوش نہیں ہوئیں۔“

”بے ہوش تو خیر ہوئیں ہیں... لیکن اس طرح نہیں۔“ انیسٹر جیشید جلدی سے بولے۔

”خیر... میں نے اپنا کام کر دیا... میں چلتا ہوں۔“

اور پھر ڈاکٹر حوالات سے نکل گیا... کانسیبل نے تالا

لگا دیا... ابھی چند منٹ ہی نزرے ہوں گے کہ ڈاکٹر واپس آتا
نظر آیا... اس کے چہرے پر قدرے گھبراہٹ تھی
”مم... میرے موبائل تو یہاں نہیں ملا۔“

”موبائل...“ ان کے منہ سے نکلا... اور پھر وہ لگے
ادھر ادھر دیکھنے۔ فرزانہ بیٹی ہوئی تھی... اسے جو ہلایا گیا تو اس
کے کپڑوں کے نیچے موبائل مل گیا۔

”یہ رہا ڈاکٹر صاحب... غالباً جب آپ جھکے... اس
وقت یہ آپ کی جیب سے گر گیا... بچی کے کپڑوں کے نیچے تھا۔“
”شکریہ... بہت بہت شکریہ۔“

اس نے موبائل جیب میں ڈال اور چلا گیا... اور
وہ حوالات میں ادھر ادھر لیٹ گئے...

دو گھنٹے بعد کئی بڑے بڑے آفیسر حوالات کی طرف
آتے نظر آئے... نزدیک آتے ہی وہ بولے
”انہیں باہر نکال جائے۔“

☆☆☆☆☆

تین اور ایک

وہ حوالات سے باہر نکلے تو آنے والوں نے ان سے
گرم جوشی سے ہاتھ ملایا... ان میں سے ایک نے کہا
”ہم بہت معذرت خواہ ہیں، آپ لوگوں کے ساتھ
بہت زیادتی ہوئی... پولیس آفیسر سے جواب طلبی کی جائے گی
... اسے چاہیے تھا... فوری طور پر ہمیں اطلاع دیتا... آپ
کے لیے جہاز تیار ہے... آپ تھوڑی دیر بعد اپنے ملک میں
ہوں گے۔“

”بہت بہت شکریہ!“ وہ مسکرا دیے۔

اور پھر وہ واقعی سات گھنٹوں بعد اپنے گھر میں بیٹھے
تھے... بیگمات ان کے لیے مزے مزے کی چیزیں پہنچے ہی تیار
کر چکی تھی اور وہ ان سے انصاف کرتے ہوئے باتیں کر رہے

تھے

”سوال یہ ہے... ہم واپس تو آ گئے ہیں... لیکن یہ کیس ختم ہو گیا ہے۔“ آفتاب کہہ رہا تھا۔

”پاگل ہوئے ہو... کیس ختم کیسے ہو گیا... یہ کے مجرم تو ابھی باقی ہیں... اپنی طرف سے ان لوگوں کے دراصل ہم سے چھٹکارا پا لیا ہے... اور بے قراری سے پا کا رہے ہوں گے۔“ قاروق بولا۔

”میں آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں۔“ اپنے جمشید نے گھبرا کر کہا۔

انہوں نے آئی جی صاحب کے نمبر ڈائل کیے.. جمشید سلیک کے بعد انہوں نے پوچھا:

”ان تینوں کی طرف سے ملک میں کوئی چکر تو شروع نہیں ہوا۔“

”ہو چکا ہے جمشید...“ ان کا لہجہ فکر مند تھا۔

”جی... کیا مطلب؟“

”ہر روز شام پانچ بجے تمام چینلوں کے پروگرام اچانک بند ہو جاتے ہیں... درود تینوں سکرین پر نظر آنے لگتے

ہیں... کوئی کتنا ہی کوئی اور چینل لگانے کی کوشش کرے... نہیں لگتا... اور پھر جب وہ تینوں ایک ساتھ بولتے ہیں... تو لوگ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں... سچ تو یہ ہے کہ اب تو لوگ ان کے نمودار ہونے کا انتظار کرنے لگے ہیں... اور ان کی باتیں غور سے سننے لگے ہیں۔“

”نہیں...“ ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔ پھر انہوں نے پوچھا۔

”اور وہ کہتے کیا ہیں۔“

”پہلے چند دن تو انہوں نے لوگوں کو لطیفے سنائے... دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات سنائے... پھر لوگ ان کے خوب دیوانے ہو گئے تو انہوں نے اپنا اصل کام شروع کر دیا۔“ آئی جی صاحب نے بتایا۔

”اور وہ کیا سر؟“

”یہ تبلیغ کہ اب اس ملک کا تقسیم ہو جانا ہی بہتر ہے... تم آج خود سن ہی لو گے... وہ کیا کہتے ہیں۔“

”جی بہتر اہم سنیں گے... ہم آپ سے اس سلسلے میں بات بھی کریں گے... لیکن ان کا پروگرام سننے کے بعد... کیا

ان کا پروگرام روزانہ ایک ہی ہوتا ہے اور نیا پروگرام ہوتا ہے۔“

”پروگرام میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں، لیکن... مرکزی باتیں وہی ہوتی ہیں۔“

”خیر پہلے ہم سن لیں... آپ کا شکریہ۔“

”کوئی بات نہیں جشید... مجھے خوشی ہے... تم بچ کر نکل آئے... ویسے میں یہ تفصیل بھی سننا پسند کروں گا۔“

”جی بہتر ملاقات پر سنا دیں گے۔“

اور پھر آئی جی صاحب نے فون بند کر دیا... اب نہیں پانچ بجنے کا انتظار تھا۔

پھر ٹھیک پانچ بجے جینل پر جو پروگرام لگا ہوا تھا، وہ غائب ہو گیا۔ اور وہ تینوں نظر آنے لگے... ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی... پھر ان کے ہونٹ ہلے، ایک ساتھ تینوں کی آوازیں آنے لگیں۔

”معزز سامعین ہم پروگرام کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہیں... آپ اب تک جان چکے ہوں گے کہ تین ایک ہے... اور ایک تین ہیں... مطلب یہ کہ تینوں مل کر ایک طاقت

بنتے ہیں۔ یعنی تین ملک مل کر ایک بڑی طاقت... جیسا کہ ہم آپ کو تین نظر آ رہے ہیں، لیکن ہم تین نہیں ہیں... ہم ایک ہیں... کیونکہ ہم ایک آواز ہو کر بات کر رہے ہیں... اور یہ طاقت بھی تینوں کی مشترکہ طاقت ہے... ورنہ دنیا میں کوئی اس طرح بولی کر دکھا دے... ہم جو بولتے ہیں... تینوں بولتے ہیں...“

مزید تشریح سن لیں ”تین ملک یعنی کارمدس، پاک لینڈ اور شار جستان کو ملنا کر ایک نیا ملک بنایا جائے تو اس کی طاقت تمام دنیا کو ہلا کر رکھ دے گی۔ تین کی یہ طاقت آپس کے تمام اختلافات اور جنگوں کے خطرے کو بھی ہمیشہ کیلئے روک دے گی۔“

دو گھنٹے بعد پھر حاضر ہو گئے۔“

اس کے ساتھ ہی وہی چینل شروع ہو گیا... جو اس سے پہلے چل رہا تھا... یہ سب سن کر اور دیکھ کر وہ کہتے ہیں آگئے... کافی دیر تک ان سے کوئی بات بن نہ پڑی:

”یہ تو پاک لینڈ توڑنے کی نئی سازش نظر آتی ہے، آخر ہم اس پروگرام کو روک کیوں نہیں سکتے... ٹی وی چینلوں

والے اس بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔“

”اس سوال کا جواب تو شاید وزیر اطلاعات صاحب کو دے سکیں... ویسے پروفیسر صاحب! آپ کوئی خیال ظاہر کر سکتے ہیں۔“

”ہاں! کیوں نہیں... ان لوگوں نے ملک کے حیرت انگیز مقام پر کوئی بہت طاقتور اسٹیشن قائم کیا ہے... اس کی حالت، ترین ہرین باقی چینلوں کو نگل جاتی ہیں...“

”بس تو پھر... ہم اس اسٹیشن کا سراغ لگانے لگے۔“
 ”لیکن اس سے کیا ہو گا جشید... وہ کہیں اور کوئی اسٹیشن قائم کر لیں گے۔“ انپکڑ جشید نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تب پھر آپ کیا کہتے ہیں۔“

”ان کی باتوں کا اثر زائل کرنا ہو گا... اس بارے میں ہمارے قومی رہنما کیا کہہ گئے ہیں۔ وہ لوگوں کو تانا بانا کر... چند ایسے سوار تیار کرنا ہو گے جن کے جوابات وہ نہ دے سکیں...“

”لیکن ہم پھر بھی پورے ملک سے ان کے اثرات کو...

نہیں کر سکیں گے... میں یہ نہیں کہتا کہ ہم یہ کام نہیں کریں گے... ایسی بات نہیں، یہ کام ہم کریں گے... لیکن اصل کام وہی ہو گا... فوری طور پر ان کے اسٹیشن کا سراغ لگانا... اور جشید اس سلسلے میں اساتذہ سے بھی کام لینا ہو گا... کیونکہ سوارات تو ہمیں وہی بتائیں گے نا۔“ پروفیسر داؤد کہتے چلے گئے۔

”بالکل ٹھیک پروفیسر صاحب... پہلے ہم آئی جی صاحب سے ملیں...“

”جی نہیں... اس سے پہلے ان کا دو گھنٹے بعد کا پروگرام سن لینا چاہیے، دیکھیں تو سہی... اب وہ کیا کہتے ہیں۔“

ٹھیک دو گھنٹے بعد نشریات ایک بار پھر غائب ہو گئیں... اور تمام اسٹیشنوں سے وہ تینوں نظریوں نے لگے... ان کے چہروں پر اب بھی وہی مسکراہٹ تھی... پھر ان کے ہونٹ ہلنے لگے... انپکڑ جشید اور انپکڑ کامران مرزا بخور ان کے ہونٹوں کا جائزہ لینے لگے... ساتھ ہی وہ اس پروگرام کی ریکارڈنگ بھی کر رہے تھے... وہ تینوں کہہ رہے تھے:

اگر انسانی جسم کی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی ہم مادی طور پر تین اجزاء سے مل کر بنتے ہیں۔ ہڈی

گوشت اور خون۔ ان تینوں چیزوں کی اتحادی حالت کو ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ان تینوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو جسم مکمل نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ تینوں کے ملنے سے ایک جسم بنا ہے۔ اسی طرح کار ملاس، پاک لینڈ اور شرجستان... گویا یہ تین ایک ہیں... اور یہ ایک تینوں ہیں...

اس تجویز کو قبول کرنے والے اپنے نام اخبارات میں دے دیں... اپنے پتے بھی لکھوا دیں... تاکہ ان کے وظیفے جاری کر دیے جائیں، اس طرح آپ جان لیں گے کہ اس نئے ملک کی تجویز قبول کرنے میں کس قدر فائدہ ہے ہیں... اور صرف پاک لینڈ کا شہری رہنے میں کس قدر نقصانات ہیں... اب ہم کل پانچ بجے حاضر ہوں گے۔“

اور وہ غائب ہو گئے...

”یہ لوگ دولت کا لالچ بھی ساتھ دے رہے ہیں... ملک کی حالت اس وقت ایسی ہے کہ لوگ بھوکوں مر رہے ہیں... مہنگائی اس قدر عروج پر پہنچ گئی ہے کہ تھلے طبقے کے

سامنے مشکلات کے پہاڑ ہیں... ایسے میں یہ لالچ ان کے لیے بہت دل کش ہے... جب کہ ہماری حکومت ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر پا رہی... ان حالات میں لوگ ان کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوں گے... آج کل اتنے محبت وطن تو ہوگ رہے نہیں گئے کہ حالات چاہے کچھ بھی ہوں... وطن کی محبت کو نہیں چھوڑیں گے... ایک وقت تھا جب ہوگ جان دے دیتے تھے... وطن تو ان کے لیے جان سے بھی قیمتی تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اب ایسے لوگ بالکل ہی نہیں ہیں... ضرور ہیں... لیکن کم... خیر بہر حال... پہلے ہم آئی جی صاحب سے ملاقات کریں گے۔“

”اور میں نے ایک بات نوٹ کی۔“ ایسے میں فرمانہ کے منہ سے نکلا۔

”یہ بہت اچھی بات ہے... کہ ان حالات میں بھی تم نے کوئی بات نوٹ کر لی... چلو جلدی بناؤ۔“ خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

اور جب اس نے وہ بات بتائی... تو سب کے سب بڑی طرح اچھیل پڑے... ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

نہیں کر دیتے... اس وقت تک چھن سے نہیں بیٹھیں گے۔“
الپکڑ جمشید نے کہا۔

”لیکن بھی... مجھے یہ کام آسان نظر نہیں آتا...“
ان کا سراغ لگاتا ہے۔“

”جی ہاں! ہمیں ان کا سراغ لگانا ہے... اور انشاء
اللہ ہم سراغ لگائیں گے۔“ الپکڑ کامران مرزا جلدی سے
لے۔

”اچھا خیر... یہ آپ کا کام ہے... آپ جانیں...
کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ بتا دیں۔“

”ہم اس مہم پر بہت ہی خفیہ طریقے سے نکلنا چاہتے ہیں
.. ابھی تک ہم نے ادھر ادھر کسی سے رابطہ نہیں کیا... صرف
آپ سے بات کی ہے... تاکہ وہ لوگ ہمارے بارے میں یہی
جال کرتے رہیں کہ ہم ابھی تک اس جزیرے پر ہی پھنسے ہوئے
ہیں۔“

”یہ ٹھیک رہے گا۔“

”اور ہم ہر طرح کا رابطہ ختم کر رہے ہیں... مطلب یہ
کہ اس مہم کے دوران ہمارا کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہوگا۔“

خوفناک مسئلہ

آئی جی صاحب نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا...
سب لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو انہوں نے کہا

”اس وقت پورے ملک کے وہ عوام بہت پریشان ہیں
جنہیں اپنے ملک سے محبت ہے... ان پر دیگر اسوں کی وجہ سے
بہت سے شہری ب تک تین کے طوفان کا شکار ہو چکے ہیں اور یہ
سلسلہ روز بروز ترقی کر رہا ہے... کچھ ان کا لالچ بہت دل نش
ہے... اس لیے غریب لوگ جن کے لیے گزر بسر سب سے
خوفناک مسئلہ ہے، وہ اس طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں...
سوال یہ ہے جمشید... اور کامران مرزا... ان حالات میں
آپ لوگ کیا کریں گے... یا آپ کیا کر سکتے ہیں۔“

”جب تک ہم ان تک نہیں پہنچ جاتے اور ان کا تیا پانچا

”س طرح ہم لوگ الجھن محسوس کریں گے۔“
 ”وہ تو ٹھیک ہے... لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے
 ... کہ ہمارا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہ رہے۔“

”اچھی بات ہے... ہم لوگ صبر اور شکر سے آپ
 لوگوں کی کامیابی کے لیے دعا کرتے رہیں گے۔“
 ”جی ہاں! اسی کی ضرورت ہے۔“

اب وہ ان سے رخصت ہو کر گھر واپس آ گئے... گھر
 سے رخصت ہوتے وقت بھی انہوں نے ایک خاص طریقہ اختیار
 کیا تھا اور واپس آتے وقت بھی... صدر دروازے سے کوئی
 گھر سے نکل تھا اور نہ آیا تھا... اس طرح انہیں اطمینان تھا کہ
 دشمنوں کو ان کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہوئی ہوگی
 ... اور وہ اس خوش فہمی میں جلا ہوں گے کہ وہ جزیرے پر ہی
 ہیں... اپنے شہر میں نہیں آ سکے۔“

اس وقت بھی جب کہ رات کے بارہ بج رہے تھے...
 وہ اپنا پروگرام ترتیب دے رہے تھے... سارا پروگرام تحریری
 طور پر نوٹ کر لینے کے بعد وہ خفیہ طور پر باہر نکلے اور تجربہ گاہ
 پہنچے... تجربہ گاہ میں بھی وہ خفیہ راستے سے اندر داخل

ہوئے... اندر مکمل طور پر تاریکی تھی... انہوں نے موبائل کی
 تارچوں کے ذریعے اندر تک کاراستہ طے کیا... پھر پروفیسر
 داؤد نے اپنا کام شروع کیا...

دوسرے دن ان تین کا پروگرام شروع ہونے تک
 انہیں وہاں ٹھہرنا تھا... کیونکہ پروفیسر داؤد کا اصل کام چینل
 شروع ہونے کے بعد شروع ہونا تھا... انہیں اس سمت کا اندازہ
 کرنا تھا جس طرف سے اس چینل کا مرکز تھا... یہاں سے تو وہ
 صرف سمت کا اندازہ ہی لگا سکتے تھے... باقی کام اس مقام کو
 تلاش کرنے کا تھا اور وہی اصل کام تھا...

سفر پروگرام شروع ہوا... پروفیسر صاحب نے اپنے
 آلات آن کر دیے اور ان کے ذریعے سمت کا اندازہ لگانے کی
 کوشش کرتے رہے... آخر آدھ گھنٹے بعد انہوں نے کہا

”جیشید! ہمیں شمال مشرق کی سمت میں سفر کرنا ہوگا۔“
 ”اور وہ سارا علاقہ پہاڑی ہے... گویا ان لوگوں
 نے اپنا اسٹیشن پہاڑوں میں کہیں بتایا ہے۔“ انہوں نے کہا۔
 ”ہاں بالکل... میں چند آلات ساتھ لے چلوں گا...
 وہ ہماری مدد کریں گے۔“

”ٹھیک ہے... جہاں بھی انہوں نے اپنا مرکز بنایا ہے
... ہمیں بہر حال وہاں جانا ہوگا... ورنہ یہ فتنہ تو ہمیں لے کر
بیٹھ جائے گا... ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔“
”اللہ مدد کرنے والے ہیں۔“

اور پھر اسی رات وہ خفیہ راستے سے نکل کر شمالی شرق
کی سمت میں روانہ ہوئے... خان رحمان کی بڑی گاڑی کی نمبر
پلیٹ تبدیل کر لی گئی تھی... اس کا رنگ بھی بدلا ہوا تھا۔ یہ سب
کام اس گاڑی میں آٹو چیک نظام کے تحت ہو جاتے
تھے... انہیں کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا... ان کا سفر کئی گھنٹے تک چوری
رہا، تب کہیں جا کر انہیں پہاڑ نظر آنے لگے... لیکن یہ پہاڑ ابھی
نظر آئے تھے... تھے بہت دور... وہ آگے بڑھتے رہے... پھر
ناہوار راستہ شروع ہو گیا... اور کچھ اور آگے جا کر انہیں گاڑی
سے اتارنا پڑ گیا۔

”کیا ہم درست سمت جا رہے ہیں پروفیسر صاحب؟“
”ہاں بالکل... میرے آلات بتا رہے ہیں... ان کا
اسٹیشن اسی سمت میں ہے... لیکن راستہ بہت دشوار گزار نظر آ رہا
ہے جشید۔“

”کوئی بات نہیں انگل... دشوار گزار راستوں سے
ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم۔“ فاروق نے مگلتانے کے
اعزاز میں کہا۔

”شکر یہ... تمہاری آواز تو سنائی دی...“ آفتاب
بول اٹھا۔

”ہائیں... تو کیا میری آواز غائب ہو گئی تھی۔“
فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”اے کہتے ہیں، سوال گندم جواب چتا۔“ محمود نے
مدد بنایا۔

”کہتے ہوں گے ہمیں کیا...“ آصف نے بھی فوراً
کہا۔

”پروفیسر اکل... ذرا جلدی سے بتا دیں... کس
طرف چلنا ہے۔“ شوکی نے بلند آواز میں کہا۔

”کیوں بھی... کیا ہوا۔“

”میں محسوس کر رہا ہوں... یہ سفر ہمارے لیے آسان
بات نہیں ہوگا... آگے خطرات منہ کھولے کھڑے ہیں۔“ شوکی
نے ڈرے ڈرے اعزاز میں کہا۔

”کیا مطلب... کیا نظر آ گیا ہے بھی... کہیں تم نے
بینک تو نہیں لگالی۔“ آصف نے اسے گھورا۔

”نہیں... میں اس نعمت سے فی الحال محروم ہوں۔“
شوکی مسکرایا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو شوکی۔“
”میں محسوس کر رہا ہوں... کسی وقت بھی ہم پر
فائرنگ شروع ہو سکتی ہے۔“

”نہیں نہیں۔“ وہ ہکلائے۔
پھر ان سب نے چاروں طرف کا بغور جائزہ لیا...
لیکن دور دور تک کوئی خطرہ نظر نہ آیا۔

”نہیں شوکی... فی الحال اس پاس کوئی خطرہ نہیں...
تمہیں وہم ہوا ہے۔“

”یہ اچھی بات ہے پھر... اللہ کرے آگے ہمیں کوئی
خطرہ پیش نہ آئے۔“ شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

”اور ہمارے حق میں بہتر بھی یہی ہے کہ انہیں ہمارے
بارے میں بالکل کچھ معلوم نہ ہو۔“

”لیکن اگر ان لوگوں نے چاروں طرف نظریں رکھی

ہوئی ہیں... تب تو وہ ہماری گاڑی دیکھ چکے ہوں گے... اور
اس صورت میں وہ لوگ ہوشیار ہو چکے ہیں... لہذا ہم سب
خطرے میں ہو سکتے ہیں۔“ شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

”میں ایسی بات نہیں سمجھتا... اور وہ اس لیے کہ انہیں تو
ہمارے بارے میں معلوم ہی نہیں کہ ہم لوگ اس جزیرے سے
اپنے شہر میں آگئے ہیں... وہ تو اس خیال میں مگن ہیں کہ ہم
جزیرے پر موجود ہیں۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے... وہ مکمل طور پر بے خبر
ہیں... اور یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔“

”مطلب یہ کہ شوکی تمہارا خیال حرف غلط کی طرح غلط
ہے۔“ فاروق ہنسا۔

”کوئی بات نہیں... ایسا ہونا کوئی عجوبہ بات نہیں۔“
کھن نے چلے کئے انداز میں کہا۔

”عجوبہ بات پیش آنے میں کیا دیر لگتی ہے۔“ محمود نے
اسے گھورا۔

”ادھار کھا کر بیٹھے ہیں کیا۔“ کھن نے منہ بتایا۔
”اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے... ہماری مالی حالت کافی

بہتر ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”میرا خیال ہے... یہ آپس میں لڑنے والے ہیں اور عاباً پر تول چکے ہیں۔“ آصف نے شوخ آواز میں کہا۔

”جب کہ میرے خیال میں حالات ایسے نہیں کہ پر تولنے پڑیں۔“

”تو یہ ہے تم لوگوں سے، بے چاروں کے پیچھے ہاتھ دم کر پڑ گئے۔“

”بالکل غلط... یہاں دور دور تک پانی نہیں... کیوں پروفیسر انکل۔“ فاروق تڑپ کر بولا۔

”نن... ہاں...“ وہ بوکھلا کر بولے۔

”یہ آپ نے نہیں کہا یا ہاں کہا...“

”پپ پتا نہیں... ہاں اور بات دراصل یہ ہے کہ فاروق کے لفظ پانی بولنے سے یہ خوفناک بات معلوم ہوئی کہ مجھے شدید پیاس لگی ہے۔“

”ارے باپ رے...“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ارے باپ رے کے بجائے... کہتا چاہیے تھا

... اے اللہ ہمیں پانی دے۔“

”خوب خوب...“ خان رحمان مسکرائے۔

”بلکہ بہت خوب...“ پروفیسر صاحب جلدی سے بولے۔

”یہ خوب خوب اور بہت خوب کس سلسلے میں۔“

”اس سلسلے میں کہ... ان کی باتیں شروع ہونے کے

بعد دشوار گزار ترین راستہ آسانی سے گزر رہا ہے... اگر ان کی گفتگو جاری رہی۔ تو ہم بہت آسانی سے اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔“

”کیا... کیا واقعی...“ ہر ایک بے یقینی کے عالم میں

بولے۔

”ہاتھ کلن کو آرسی کیا... ابھی تجربہ کر لیتے ہیں۔“

”یہ... یہ بات تو خیر میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔“ انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

”اور آپ کو کسی بات محسوس کر رہے ہیں۔“

”یہ کہ ہنر بہت آسان سا ہو چلا ہے۔“

”تب پھر ان لوگوں کو کھلی جھنڈی دے دینی چاہیے۔“

”ارے باپ رے۔“ آصف نے بوکھلا کر کہا۔

”حد ہو گئی... بھی کھلی چھٹی ملے ہی بوکھلانے کی کیا ضرورت؟“ محمود نے اسے گھورا۔

”جب پھر تم بتا دو... بوکھلانے کی ضرورت کس بات میں ہے۔“ آصف مسکرایا۔

”یہ... یہ تو خیر مجھے بھی معلوم نہیں۔“ محمود بوکھلا کر

بولا۔

”کیا معلوم نہیں۔“ آصف نے اسے گھورا۔

”پپ پپ نہیں...“

”سنا آپ نے... یعنی اسے کہتے ہیں تاج نہ جانے

آگلن ٹڑھا۔“ آصف نے جھلا کر کہا۔

”میرے خیال میں تو تاج نہ جانے آگلن ٹڑھا اسے

نہیں کہتے۔“ شوکی ہڑبڑایا۔

تب پھر اسے کیا کہتے ہیں۔“

”شاید اسے کہتے ہیں... کو اچانکس کی چال، اپنی بھی

بھول گیا۔“ فاروق نے جلدی سے کہا۔

”دماغ تو نہیں چل گیا۔“ فرزانہ تڑ سے بولی۔

”میں دماغ چنے کی نہیں کوئے کے چلنے کی بات کر رہا

ہوں۔“ فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

دھت تیرے کی... بات کو کہاں سے کہاں لے

گئے۔“ فاروق نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا... لیکن ہاتھ چکر لگا کھن کو... وہ بلبلاتا تھا۔ اس نے تھلا کر کہا۔

”معلوم ہو گیا۔“

”کیا معلوم ہو گیا...“

”یہی کہ اندھوں میں گانا راجہ۔“

یہ بھی بے موقع استعمال ہو گیا... معلوم ہو... اس

راستے میں ہم غلطی ورت بولنے پر قتل گئے ہیں... یا پھر ادھر

کھائے بیٹھے ہیں۔“ فرحت نے منہ بتایا۔

”زبردستی گفتگو میں محاورات نہ گھسیڑو۔“ محمود بول

اٹھا۔

”محاورات خود اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چے آرہے

ہیں۔“ زبردستی گفتگو میں شامل کرنے کی کیا ضرورت ہے

بھلا۔“ فرحت اس کی طرف الٹ پڑی۔

”لگتا ہے اب یہ لڑ پڑیں گے۔“ خان رحمان نے گھبرا

کر کہا۔

”تم بھول رہے ہو خان رحمان۔“ منور علی خان ہنسے۔

”اور... اور میں کیا بھول رہا ہوں۔“

”وہی جو میں بھول رہا ہوں۔“ پروفیسر داؤد بولے۔

”ہائیں... یہ کیا بات ہو گئی۔“ انسپکٹر کامران مرزا

حیران رہ گئے۔

”لگتا ہے... ہم واقعی کچھ بھول رہا ہو۔“

”منور علی خان بتائیں گے کہ ہم کیا بھول رہے ہیں۔“

انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔

”یہ کہ... ہم انہیں مکمل چھٹی دے چکے ہیں...“

”ارے باپ رہے۔“ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

”واقعی... یہ تو ہے... اب کیا ہو سکتا ہے... ب تو

تیر کمان سے نکل گیا۔“ انسپکٹر جمشید نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”اور کمان سے نکل کر تیر بالکل اسی طرح واپس نہیں آتا

جس طرح زبان سے نکلے الفاظ۔“

”خیر کوئی بات نہیں... ہم ان کی کھلی چھٹی سے فائدے

میں ہی جا رہے ہیں... فاصلہ واقعی بہت تیزی سے طے ہو رہا ہے

... دور ہو سکتا ہے... ہم بہت جلد اسٹیشن تک پہنچ جائیں

گئے۔“ پروفیسر داؤد نے مطمئن انداز میں کہا۔

”لیکن اٹکل!... کیا وہ لوگ ہمیں دیکھ نہیں لیں گے۔“

”نہیں... اس لیے کہ یہ بات تو ان کے وہم و گمان

میں بھی نہیں آ سکتی کہ ہم اس جزیرے سے اتر کر اپنے شہر میں آ

گئے ہیں... وہ پوری طرح مطمئن ہیں اور اس خیال میں ہیں کہ

ہم اس جزیرے پر ہی قید ہیں۔“

”چلیے پھر تو ٹھیک ہے۔“

”دوسری بات، اگر وہ خبردار ہو بھی جائیں تو بھی کوئی

بات نہیں... اب ہم ان سے ٹکرا کر ہی رہیں گے۔“

”پھر بھی... بہتر یہی رہے گا کہ ہم عین اس وقت وہاں

نہیں... جب وہ جھیل پر بات کر رہے ہوں...“

”اللہ کرے... ہم اسی وقت وہاں پہنچیں۔“

”آمین۔“ سب نے ایک ساتھ کہا۔

ان کے قدم تیزی سے اٹھتے گئے... اب سب خاموش

گئے تھے... جیسے کسی کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہ رہ گیا

... یہ بات محسوس کرتے ہی خان رحمان نے کہا۔

”یہ بات تو اچھی نہیں۔“

”گف... کوئی بات اٹکل۔“

”یہ کہ تم کل چھٹی کا فائدہ نہ اٹھاؤ۔“

”اٹکل یہ آپ نے کیا کہا... ہم نے اب تک بہت

فائدہ اٹھایا ہے۔“

”تو اب کیوں خاموش ہو گئے...“ وہ مسکرائے۔

”اوہ اچھا... پپ پتا نہیں... کیا بات ہے..“

محترمہ خاموشی ہم میں کہاں سے آئیں۔“ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

”جیسے پکا ہوا آم فک پڑتا ہے۔“ فاروق بول اٹھا۔

”ہاں بالکل ہمیں تو اس چھٹی سے ایسا ہی فائدہ اٹھانا

چاہیے جیسے آم کے آم گھلیوں کے دام۔“

”یار جمشید میں تو باز آیا۔“ پرو فیسر داؤد بوکھلا کر

بولے۔

”جی... جی... کیا کہا۔“

”مجھے بھوک بھی لگ گئی۔“

”خیر کوئی بات نہیں... کھانے کے لیے ہمارے پاس

بہت کچھ ہے۔“ خان رحمان بولے۔

”افسوس! ان کے منہ سے نکلا۔“

”اس میں افسوس کہاں سے آکودا۔“ انپکڑ کا مرن

مرزا نے پوچھا۔

”افسوس مجھے اس وقت آموں کی بھوک لگ گئی ہے

... اور میں جانتا ہوں خان رحمان... ہم اس وقت آم سے کر

نہیں چلے۔“

”چلتے کیسے لے کر آموں کا موسم تو ختم ہو چکا ہے۔“

”دیئے آموں کے موسم کو اتنی جلدی نہیں گزر جاتا

چاہیے۔“ منور علی خان نے جلدی سے کہا۔

”اب ہم آموں کے پیچھے ہتھ دھو کر پڑ گئے۔“ انپکڑ

جمشید نے منہ بتایا۔

”تب پھر آپ بتا دیں کون سے پھل کے پیچھے پڑیں

اتھ دھو کر۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”ہے کوئی تک اس بات کی...“

”اوہو ارے... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

انہوں نے پرو فیسر داؤد کی خوف میں ڈوبی آواز سنی:

دھم دھم

وہ سب کے سب فوراً پروفسر داؤد کی طرف مڑے
 ”آپ نے کیا دیکھا ہے پروفسر صاحب... مہربانی
 فرما کر جلدی سے ہم سب کو بھی دکھا دیں۔“
 ”میں نے ایک آئینے کی جھلک دیکھی ہے... اور اس کا
 مطلب ہے، میرا خیال غلط تھا، یہ لوگ بے فکر نہیں ہیں... پوری
 طرح ہوشیار ہیں... اور ہم ان کی نظر میں ہیں... یہ ہمیں بہت
 اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔“

”آئینے کی جھلک سے آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا۔“
 ”آئینے کی جھلک کا مطلب ہے... انہوں نے یہاں
 اہم جگہوں پر آئینے لگا رکھے ہیں... ان کے ذریعے یہ لوگ اپنے
 ایشیئن کی طرف بڑھتے والوں کو آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔“

”ارے باپ رے... آپ تو ہمیں ڈرائے دے
 رہے ہیں۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”فاروق! یہ تم نے ڈرنا کب سے شروع کر دیا۔“
 آفتاب نے منہ بنایا۔

”ایسے خطرناک ترین دشمنوں کے مقابلے میں ڈرنا ہی
 چاہیے... جو ہمیں متحرک جزیرے پر چھوڑ دیں۔“

”لیکن بھئی... جو ڈر گیا... سمجھ لو... مر
 گیا...“ آصف بولا۔

”خیر... میں ان معنوں میں نہیں ڈرا... میں ذرا
 مذاق مذاق میں ڈر رہا ہوں۔“

”اوہ اچھا... پھر تو ٹھیک ہے۔“ آصف نے فوراً
 کہا۔

”کیا ٹھیک ہے۔“ پروفسر داؤد بے خیالی میں بولے۔
 ”یہ کہ مذاق مذاق میں ڈرنا بڑا نہیں... بلکہ اچھا
 ہے۔“

”اور اچھا کن معنوں میں ہے۔“ مکھن نے جلدی سے
 کہا۔

”حد ہو گئی... اب مجھے یہ بھی بتانا ہو گا کہ یہ اچھا کن
معنوں میں ہے۔“

”ہاں! کیا حرج ہے... بتا دو گئے ہاتھوں... پہنیں
تو ہم گئے ہی ہیں۔“

عین اس وقت ان پر نہایت طاقتور سرج لائٹ
کی روشنی پڑی... وہ گویا اس روشنی میں نہا گئے... اور
پہاڑیوں پر جیسے دن نکل آیا:

”ہم تم لوگوں کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے دن کی
روشنی میں آنکھوں کے سامنے موجود کسی چیز کو دیکھتے ہیں۔“
آواز افسی تینوں کی تھی۔

”یہ بہت اچھی بات ہے... آپ نے دل خوش
کر دیا۔“ شوکی نے بلند آواز میں کہا۔

”کیا مطلب...“ دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا
”اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ہمیں
اس طرح دیکھ رہے ہیں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم بھی آپ کو اسی
طرح دیکھ رہے ہوتے۔“

”اب تم لوگ آئی رہے ہو... دیکھ ہی لو گے۔“

اتارنے چلے تھے... یہ لمحات ان کے لیے ہوتا ک تھے... ایسے
میں اچانک روشنی غائب ہو گئی:

”ارے! یہ کیا ہوا؟“

”شاید سرج لائٹ میں کوئی نقص واقع ہو گیا ہے۔“

”اب ہم کیا کریں؟“

انتظار... یہ لوگ تو ہیں ہی بندھے ہوئے... ان کی
طرف سے تو ہمیں کوئی خطرہ ہی نہیں... لہذا یہیں ٹھرتے ہیں
... سرج لائٹ وہاں پر موجود لوگ ٹھیک کر ہی رہے ہو گے:
”ٹھیک ہے...“

اور پھر سنانا چھا گیا... کافی دیر گزر گئی... وادی
اندھیرے میں ڈوبی رہی... آخر ان میں سے ایک نے چیخ کر
کہا:

”یہ کیا ہے جناب... لائٹ کیوں نہیں جل رہی... کیا
ہم یہیں کھڑے رہیں رات گلیں لیے ہوئے۔“

”ہاں تم لوگ وہیں کھڑے رہو... لائٹ آن ہونے
دوں... اس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔“

”او کے سر۔“

ایک بار پھر سناٹا چھ گیا... آخر ایک کھٹے بعد روشنی ہو سکی... لیکن یہ روشنی سرچلائٹ کی نہیں تھی... مختلف ٹارچوں کی تھی... جد ہی ایک آدمی ان کی طرف آتا نظر آیا... اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی:

”سرکہہ رہے ہیں، اس روشنی کی مدد سے ان لوگوں پر فائر کھول دوں... سرچ لائٹ ٹھیک نہیں ہو سکتی... کل دل میں اسے ٹھیک کر دیا جاسکے گا۔“

”اوکے سر۔“ ان میں سے ایک نے کہا اور ٹارچ سنبھال لی اب جو اس نے ٹارچ کی روشنی اس نشیبی جگہ پر ڈالی جہاں انہیں گرایا گیا تھا تو وہ بہت زور سے اچھلا اور ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

”ارے باپ رے... یہ کیا ہوا۔“

”کیا ہوا۔“ باقی ساتھی ایک ساتھ بولے۔

”وہ لوگ غائب ہیں۔“ اس نے کہا۔

”کیا مطلب وہ تو بندھے ہوئے تھے... رسیاں ایسے کھول سکتے تھے۔“

”رسیاں یہاں ضرور پڑیں ہیں... ان سب کا کوئی ہتا

نہیں۔“

”نہیں... وہ چلا اٹھے۔“

پھر اوپر کی طرف سے ان تینوں کی آوازیں سنائی دی

”کیا بات ہے... کیسا شور ہے۔“

”وہ لوگ فرار ہو گئے۔“

”کیا... یہ... یہ کیسے ممکن ہے۔“ ان تینوں نے اچھل

کر کہا۔

”اچھا خیر... ٹارچیں لے لو اور ان کی روشنی میں تلاش شروع کر دو۔“

”اوکے۔“

”وہ نہتے، جین قم پر فائر تو کر نہیں سکیں گے... البتہ۔“ وہ کہتے کہتے رک گئے۔

”البتہ کیا سر۔“

”البتہ وہ ہتھ دغیرہ کے ذریعے تم پر حملہ ضرور کر سکتے ہیں... یا گھات لگا کر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے... تم لوگوں کو پوری طرح سے ہوشیار رہنا ہوگا... ہم باقی ساتھیوں کو بھی تمہاری مدد کے لیے بھیج رہے ہیں۔“

”بہت بہتر سر... آپ ان سب کو ذرا جلدی سے بھیج دیں۔“

”فکرت کرو... یہ روانہ ہو رہے ہیں... ان سب کے ہاتھوں میں ایک ایک ٹارچ ہے۔“

”بہت خوب۔“

اور پھر خاموشی چھا گئی... جلد ہی بیسیوں ٹارچوں کی روشنیاں ادھر ادھر حرکت کرتی نظر آئیں... پھر ایک طرف سے دھم دھم کی آوازیں سنائی دیں:

☆☆☆☆☆

”بہت بہت شکریہ!“

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آگے بڑھنے لگے... راستہ انتہائی ناہموار تھا۔ ایسے میں ان کے سامنے ایک پانچ فٹ اونچی چٹان آگئی اور لمبائی کے رخ اس کا سلسلہ دائیں بائیں بہت دور چلا گیا تھا... گویا انہیں اس چٹان پر چڑھنا تھا... وہ ہاتھ رکھ رکھ کر اچھل کر اوپر چڑھنے لگے...

”سب آگئے...“

”جی! آگئے۔“

”چلو پھر۔“

ان کے قدم آگے بڑھنے لگے... لائٹ ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔ اس نے انہیں پوری طرح اپنے حصار میں لے رکھا تھا... گویا وہ روشنی میں نہا رہے تھے... ان کے قدم اٹھتے چلے گئے... پھر ایک جگہ روشنی کا یہ ہالہ رک گیا اور ان تینوں کی آوازاں ابھری:

”بس تم لوگ پہنچ گئے... دائیں طرف ایک غار ہے... اس میں داخل ہو جاؤ۔ بہت آرام دہ غار ہے... اور تم لوگوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے بڑی طرح بے چین ہے۔“

”گنگ... کون بے چین ہے۔“ پرو فیسرداؤد بے خیالی کے عالم میں بولے۔

”جی... غار... اور کون۔“

”اوہ اچھا غار... ہمارا انتظار کر رہا ہے... واہ... بہت خوب۔“ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

وہ آگے بڑھے تو انہیں غار کا منہ صاف نظر آ گیا... وہ اس میں داخل ہو گئے... اس وقت غار کے منہ پر ایک بھاری پتھر آگرا... انہوں نے دیکھا... پتھر غار کے منہ پر پوری طرح لٹ نہیں تھا... اوپر نیچے خلا نظر آئے... شاید یہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے رکھے گئے تھے... پھر جوں جوں وہ غار میں آگے بڑھنے لگے... ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا گیا... اندر بہت سے لوگ اپنا کام کرتے نظر آئے... اور وہ جدید سائنسی آلات پر کام کر رہے تھے... مزید آگے بڑھنے پر انہیں فی وی اسٹیشن جیسا ایک کمپن نظر آیا... وہ سمجھ گئے یہی ان کا اسٹیشن ہے... اسی جگہ کھڑے ہو کر وہ اپنا پروگرام نشر کرتے ہیں... انہیں غار کی دیواروں کے ساتھ ساتھ سلج آدی کھڑے نظر آئے... انہوں نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا کہ وہ ان پر نظر میں جمائے

ہوئے ہیں... گویا ان کی طرف وہ پوری طرح چوکس تھے... پھر انہیں جدید اسلحے سے لیس لوگوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور غار کے ایک حصے میں لا کر باندھ دیا... صبح افراد ان کے سروں پر کھڑے ہو گئے۔ ایسے میں ایک آواز ابھری۔

”آخر کیوں... انہیں یہاں کیوں لائے ہو۔“

”بس ایسے ہی سر... ہمارے شکار ہیں... میں نے سوچا انہیں اندر لے آئیں۔“ ان تینوں کی آواز ابھری۔

”یہ باہر رہتے تو کیا حرج تھا۔ اسی آواز نے کہا۔

”اس صورت میں یہ یہاں کا سراغ لگا لیتے اور اپنے طور پر اندر آتے... تو معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا۔“

”ہوں خیر... اب جلد از جلد ان سے چھٹکارا حاصل کر لو... اور ہاں... تم نے تو بتایا تھا... انہیں متحرک جزیرے پر پہنچا دیا گیا ہے اور یہ لوگ اب واپس نہیں آ سکتے۔“

”یہ پھر بھی آگئے... ان کا یہی تو مسئلہ ہے۔“

”تو اس مسئلے سے نجات حاصل کر لو... غار سے باہر

لے جا کر گولیاں مار دو۔“

”بہت بہتر سر۔“ تینوں کی آواز ابھری... پھر اس نے

حکم دیا

”انہیں واپس باہر لے جاؤ... اور باقاعدہ نشانہ لے لے کر گولیوں سے اڑا دو... ہم بہت جلد خوش خبری سننا چاہتے ہیں۔“

”فکر نہ کریں سر... باندھ تو ہم نے انہیں پہلے ہی لیا ہے... اب تو اتنا ہی کام ہوتا ہے کہ سنے والی ریڈمی پر لا دکر باہر سے جانا ہے... لیکن یہ کام ایک بار میں نہیں ہوگا... ریڈمی پر زیادہ سے زیادہ چار آدمی آسکیں گے۔“

”چلو کوئی بات نہیں، دو تین چکروں میں یہ کام پورا کر لو۔“ تینوں نے کہا۔

اب انہیں ایک ریڈمی پر لے جایا گیا... غار کے منہ پر سے پتھر اٹھا لیا گیا اور ریڈمی باہر نکل گئی... انہیں ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا... پھر ریڈمی چلی گئی... اور دوسری بار ان کے ساتھیوں کو لے آئی... تین بار میں سب ساتھی آگئے... ساتھ ہی ان کی طرف رائفلیں تان دی گئیں، نشانہ لیا جانے لگا... گویا وہ ان سب کو اسی حالت میں موت کے گھاٹ

”اب بولو... بولتے کیوں نہیں... آواز دو اپنے چلا تو ای آقاؤں کو... جو تین ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں اور ایک ہوتے ہوئے بھی تین ہیں۔ یعنی انشارجہ، بیگال اور نار جتان کو...“ یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے... جب وہ کچھ نہ بولے تو انہوں نے پھر کہا:

”اس کا مطلب ہے... یہ صرف تمہارا ڈراما تھا... تم یک نہیں ہو... تین ہو... تم میں سے بات تو ایک ہی کرتا تھا... لیکن آواز باقی دو کے سینوں کے پاس بندھے آئے سے ملتی تھی... اور باقی دو صرف ہونٹ ہلاتے تھے... بولتے نہیں تھے... اس طرح لوگ یہ سمجھتے تھے کہ تم تینوں بول رہے ہو، اور اس چیز کو ہوا بنا کر تم نے مقبول ہونا شروع کر دیا۔ لوگ تمہاری بات بہت توجہ سے سننے لگے... تم پر متوجہ ہو گئے... نہ جانے اس چکر میں تم لوگوں نے کس قدر لوگوں کو گمراہ کیا ہے... انہیں طرح طرح کے لالچ دیے ہیں... لیکن کاٹھ کی ہنڈیا بار یا نہیں بڑھتی... اس کا پول کھل کر رہتا ہے... اب اس وقت دیکھو... پورے ملک میں تم لوگوں کو دیکھ جا رہا ہے... اور تمہاری زبانیں گنگ ہیں... اب کہاں گئی تمہاری وہ آواز کیوں نہیں

بولتے تم... دکھاؤ نا معجزہ... سانپ سوگھ گیا تم لوگوں کو...
... خیر... تم نہیں بولتے تو یہ لو... ہم تمہاری حقیقت دنیا کو
دکھائے دیتے ہیں... یہ دیکھو اے دنیا والوں... ان دو کے
سینے کے پاس آلات نصب ہیں... ان کے ذریعے آواز باہر نکلتی
تھی... اور ہم سمجھتے تھے، یہ تینوں بول رہے ہیں جب کہ باقی...
تو صرف ہونٹ ہلاتے تھے۔“

”ہاں! یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں... اگر ہماری
بات غلط ہو تو پھر یہ تینوں اب کیوں بات نہیں کرتے... یہ دیں
اپنے سچے ہونے کے دلائل... اگر انہوں نے منہ سے آواز نہ
نکالی تو پھر آپ جان ہی لیں گے کہ یہ کتنے بڑے دھوکے باز
ہیں۔“

اب پورے ملک کے لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی
طرف دیکھ رہے تھے... اب معاملہ کافی حد تک ان کی سمجھ میں
آ گیا تھا... آخر جب ان تینوں نے کچھ نہ کہا تو انسپکٹر جمشید نے
کچھ کہنے کیسے ہونٹ ہائے ہی تھے کہ ایسے میں اچانک ایک
آواز ابھری:

”خبردار انسپکٹر جمشید... ہاتھ اوپر اٹھا دو... تم نے

ہمارا کام تو خراب کر ہی دیا ہے... زندہ ہم بھی تم لوگوں کو نہیں
چھوڑیں گے... تم بھول گئے... اور یہ خیال کر بیٹھے کہ ہم نے
اپنے شمالی ساتھی تمہاری طرف بھیج دیے ہیں... اور وہ سب کے
سب پہاڑیوں میں بھگ رہے ہیں... لیکن بات اتنی نہیں
تھی... ہم نے یہاں بھی کچھ ساتھیوں کو پوشیدہ جگہوں پر بٹھا رکھا
تھا... بس انہیں حرکت میں آنے میں دیر لگ گئی... کاش تم
لوگوں کو باہر ہی روک لیا جاتا تو ہمارا یہ پروگرام جاری اور
ماری رہتا...“

انہوں نے سر زرا سا گھما کر دیکھا... ان کی کن پٹی سے
ایک پستول کی ایک تالی لگی تھی... انہوں نے پرسکون آواز میں
کہا:

”کوئی بات نہیں پروڈیوسر ڈان... ہم اگر جان سے
چلے بھی گئے تو کیا ہے... تم لوگوں کا منصوبہ تو ہم نے خاک میں
ملا دیا تھا... اب تم ہمارے شہریوں کو گمراہ تو نہیں کر سکو گے...
بلکہ اب تک جتنے لوگوں کو تم نے گمراہ کیا ہے... وہ بھی دوبارہ
پاک لینڈ کے دائرے میں آ جائیں گے... ان شاء اللہ!“

”اب تم یہاں سے نکلو... تاکہ ہم تم لوگوں کے کفن

دفن کا بندوبست کریں۔“ پروفسر ڈان نے ہنسی بھری نگاہ میں کہا۔
 ”اللہ مالک ہے...“ یہ کہتے ہوئے وہ مزے لگائے اور
 کیمین سے باہر نکل آئے... کیمین میں اس وقت اندھیرا کر دیا
 گیا... گویا اب عوام کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے...

وہ کیمین سے باہر آئے تو ان کے سب ساتھی ہاتھ اوپر
 اٹھائے ہوئے نظر آئے... دراصل انہیں کیمین سے باہر رہ کر
 نگرانی کرنی تھی تاکہ انسپٹر جمشید کی تقریر میں کوئی خلل نہ
 پڑے... اب انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ وہ سب باہر موجود
 تھے... نگرانی کر رہے تھے... پھر یہ کیا پیٹ کیسے گئی... انہوں
 نے سوالیہ انداز میں انسپٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا... وہ
 جواب میں مسکرا دیے... اور سمجھ گئے کہ یہ سب کیوں اور کیسے
 ہوا:

”اب بتاؤ... تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔“
 ان تین میں سے ایک نے کہا۔
 ”اب آواز تینوں کی نہیں آرہی تھی۔“
 ”تم لوگ بے وقوف ہو۔“ انسپٹر جمشید پر سکون انداز
 میں مسکرا دیے۔

چیل

دھم دھم کی آوازوں کے بعد کچھ دیر تک خاموشی طاری
 رہی۔ پھر اوپر سے پوچھا گیا۔
 ”کیا بات ہے... تم لوگوں کی طرف خاموشی کیوں
 ہے... بھی بات کرتے رہو نا... تاکہ صورت حال معلوم ہوتی
 رہے۔“

”ہم نے ان کے کم از کم تین ساتھیوں کو ڈھیر کر دیا ہے
 سر۔“ جواب میں آواز سنائی دی۔
 ”بہت خوب!“

”باقی لوگوں کو بہت جلد نشانہ بنادیں گے۔“ آپ ٹھہر
 نہ کریں سر۔“

”بس ٹھیک ہے... تم انہیں اوپر آنے کے قابل نہ

چھوڑنا۔“

”ایسا ہی ہو گا سر۔“

اور پھر کچھ دیر تک دھم چوکڑی کی آوازیں آتی رہیں... پھر اوپر سے کہا گیا۔

”نشریات کا وقت ہو گیا ہے... اس سے پہلے بیسے ار کے انجام کی خبر چاہیے۔“

”چند منٹ تک انتظار کریں سر... ہم ان کی کٹنی پورن کر رہے ہیں۔“ آواز سنائی دی۔

”بہت خوب... شان دار... تم سب ایک بڑے انعام کے حق دار ہو گئے ہو۔“

”نشریات کا وقت ہو گیا ہے... اب تم سے بات نشریات کے بعد ہوگی۔“

”ٹھیک ہے سر۔“

○

پورے ملک کے چینل بند ہو چکے تھے... اور وہ ٹی ٹی وی

تو رہے تھے۔ اس وقت تک ان تین کی شہرت پورے ملک میں پھیل چکی تھی... لوگوں کے لیے اصل حیرت کی بات یہ تھی کہ تین آدمی ایک آواز ہو کر کس طرح باتیں کر سکتے تھے... وہ اس بات کو ان کا معجزہ خیال کر رہے تھے... وہ اسی طرح پاک لینڈ کو مارا کر شار جستان میں ختم کرنے کی تیاری کرتے تھے... آج وہ کہہ رہے تھے:

”پاک لینڈ بنا کر آپ کے ہاتھ ٹکلیفوں کے سوا اور کیا ہے۔ اگر آپ پاک لینڈ نہ بناتے تو آج دنیا کی ابھرتی ہوئی سپر مارٹین جستان کا حصہ ہوتے اور بیٹل بھا فائدے اٹھا رہے ہوتے۔“

ان کی یہ تقریر جاری تھی... ان الفاظ کے بعد وہ پھر نئی ایک ہیں... اور ایک تین ہیں والی باتوں پر آ گئے... ان الفاظ کے منہ سے تین آوازیں نکل رہی تھیں... لیکن الفاظ ایک تھے... اور یہ بات دنیا کے لیے عجوبہ بات تھی... لوگ مچھنی پھینک رہے تھے اور حیرت زدہ سے احساسات کے ساتھ ان کی تقریر سن رہے تھے... ایسے میں اچانک نہ جانے کیا ہوا... دو کی آواز ہو گئی... اور صرف ایک کے منہ سے آواز ملتی سنائی دینے لگی۔

لگی... باقی دو نے بھی یہ بات فوراً محسوس کر لی... انہوں نے
بوکھلا کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا... وہ بھی محسوس کر چکا تھا کہ
گزر رہا ہے... لہذا اس نے کہا

”آج کی بات ختم... اب کل بات کریں گے۔“
”لیکن کیوں؟“

ایک اور بلند آواز سنائی دی... اس آواز نے نہ صرف
ان تینوں کو... بلکہ تمام سننے والوں کو بھی چونکا دیا...
تینوں نے فوراً مڑ کر دیکھا... ان کے پیچھے سے کلر
کوئی آگے آرہا تھا... اب سب نے دیکھا... وہ انپکڑ جیسے
تھے... اور کہہ رہے تھے

”تم لوگوں کا پول کھل چکا ہے... اور اگر یہ ڈرا
بازی نہیں تھی... دھوکا بازی نہیں تھی... تو پھر تم تینوں ایک
آواز میں بول کر دکھاؤ۔“

انپکڑ جیشید کے خاموش ہونے پر بھی ان کے منہ سے کوئی
لفظ نہ نکل سکا... لکھا بھی کیسے... اب تو صرف ایک کی آواز
سنائی دیتی... انپکڑ جیشید نے انہیں کوئی موقع نہ دیتے ہوئے
جلدی سے کہا:

”کیا مطلب... ہم بے وقوف کیسے ہیں؟“ ایک نے
جھٹکا کر کہا۔

”ایسے کہ تم لوگوں کو اس طرح اچانک قابو پانے کا
موقع ہم نے خود دیا ہے۔“

”سب تم یہ بات بتا رہے ہو۔“

”نہیں... ایسی تو بات نہیں... ہم نے خود تمہیں موقع
دیا اور یہ موقع اس وقت آیا گیا... جب ہم اصل بات ساری
دنیا کو بتا چکے تھے... تمہارے فریب سے لوگ آگاہ ہو چکے
تھے... تم لوگوں کو اس دخل اندازی کا موقع اس لیے دیا گیا کہ
لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں... تمہارے جرائم واقعی خطرناک
ہیں... تاکہ لوگ تم سے بھرپور نفرت محسوس کریں... اب تمام
کے تمام لوگوں کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہو چکی ہیں... اور
ہاتھ تمہارے پھر بھی کچھ نہیں آئے گا... کیونکہ انپکڑ کا مران
مرزا نے یہ قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھایا ہے... وہ دیکھو...
موت تمہارے سروں پر آچکی ہے۔“

اسی وقت انہوں نے خوفناک قسم کی سائیں سائیں اپنے
سروں پر محسوس کی... وہ بوکھلا کر اوپر کی طرف دیکھنے لگے...

عین اس لمحے اسپیکر جمشید اور ان کے سب ساتھی زمین پر لوٹ لگے، ورنہ دشمنوں کے ساتھ وہ بھی تو منور علی خان کے آنکڑے کی زد میں آ جاتے۔ لیکن اس سے پہلے کہ آنکڑہ ان کے سر پر مصیبت بن کر ٹوٹا... انہوں نے منور علی خان کی بلند چیخ سنی۔ ساتھ ہی آنکڑہ بہت دور کہیں گرنا نظر آیا... گویا چیخ کے ساتھ ہی آنکڑے کی رسی منور علی خان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

ان سب نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا... ان کے سامنے ایک خوفناک منظر تھا۔ وہ دھک سے رہ گئے... ان کے سانس اوپر کے اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے... منور علی خان بت بنے کھڑے تھے... یوں لگتا تھا کہ جیسے کسی جادو کے انیس میں پیچھے مڑ کر دیکھنے سے بت بن گئے ہو... ان کے ساتھ انیس پر ڈیفنڈان کپڑا نظر آیا... پھر انہوں نے اس کی چپکتی سنی

”ایسے اسٹیشنوں کا کیا، یہ تو ہم اور بنا لیں گے... ہمارے راستے کے اصل روڑے تو تم لوگ ہو... تم لوگوں کو راستے سے ہٹانا کام ہے... لہذا آج ہم یہ کام کر گزریں گے اور اس جگہ سٹیشن پھر شروع ہو جائے گا۔“

”کیسے ہو جائے گا... ساری دینی کے لوگوں نے یہ پردہ گرام دیکھا ہے۔ تمہاری چار بازیوں کا پول سارا کھل چکا ہے۔“

”اب تم سب میرے قابو میں ہو... اوپر دیکھو۔“ اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”ہرگز نہ دیکھنا۔“ اسپیکر جمشید چلائے۔

وہ خبردار ہو گئے... رک گئے... وہ پر ڈیفنڈان کی بجائے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

”کیوں اباجان! کیا اس کی طرف دیکھنے سے ہم پتھر کے ہو جائیں گے۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”ایسی بات نہیں... یہ اپنی پٹا ٹرم کی طاقت سے ہم سب کو بلس کر دیتا چاہتا ہے... لیکن جب تک ہم اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھیں گے... اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔“

”لیکن کب تک... میرے ساتھی تم سب کے ہاتھ بندھ لیں گے اور پھر میں تم سب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تمہیں سلا دوں گا۔ اور تمہیں خیند کی حالت میں حکم دوں گا کہ جا کر دنیا

کے بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کر دو۔ اپنے آئی جی کو قتل کر دو... ڈی آئی جی کو قتل کر دو... اپنے فلاں فلاں آفیسر کو ختم کر دو... اور پھر آخر میں خودکشی کر لو... کہوں... کیسا پروگرام ہے۔" یہ کہتا ہوا وہ ہنسا۔

"ابھی یہ سب زبانی باتیں ہیں... عملی میدان میں آؤ گے تو دیکھیں گے۔"

فی الحال تو یہ دیکھو... میں تمہارے حربے کا جواب جیب میں ڈال کر چلا تھا:

یہ کہہ کر انہوں نے ایک عینک اپنی آنکھوں سے لگائی اور بولے:

"اس عینک کی وجہ سے تم میری آنکھوں میں جھانک ہی نہیں سکو گے... کامران مرزا... تم بھی اپنی عینک لگا لو... تاکہ ہم دونوں اس کا مزاج پوچھ سکیں۔"

"نن... نہیں۔" اس کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

"ہاہاہا... تم تو پہلے ہی خوفزدہ ہو گئے... اور سمجھ لو۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی خوف زدہ آدمی مرجاتا ہے

وہ شکست کھا جاتا ہے... تو ہم آرہے ہیں۔ تمہاری طرف۔"

"پکڑ لو انہیں اور پیش ڈالو... یہ ہم تک نہ آنے پائیں۔"

اس کے ساتھی اچھل اچھل کر ان کے سامنے آ گئے لیکن وہ انسپٹر جمشید اور انسپٹر کامران مرزا کا راستہ نہ روک سکے... وہ ان کے درمیان سے تیر کی طرح ٹٹکتے چلے گئے... ساتھ ہی محمود فرزانہ وغیرہ ان کے راستے میں آ گئے... اور پھر وہ جگہ میدان جنگ نظر آنے لگی:

انسپٹر جمشید اور انسپٹر کامران مرزا ایک ایک قدم اٹھانے پر وایسر ڈان کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ دیکھ کر پروایسر ہنسا۔ اس کی آواز پہاڑیوں میں گونج پیدا کرنے لگی:

"تم لوگوں کا کیا خیال یہ ہے... میں صرف آنکھوں کی طاقت سے تمہیں شکست دے سکتا تھا... اور چونکہ تم نے اس کا نوڈ کر لیا ہے، اس لیے میں تم لوگوں کے لیے طوہ ثابت ہو گا... نہیں... تم دیکھو گے... پروایسر ڈان ایک چٹان ہے... چٹان... ہاہاہا... اس نے قہقہہ لگایا۔"

"تب پھر اپنے آدمیوں سے کہو پہلے ہم میں اور تم میں

مقابلہ ہو جائے... یہ سب اس مقابلے کو دیکھیں گے... شیخ اور
فلکست کا فیصلہ بھی اسی سے ہو جائے گا... کیا خیال ہے۔“
”ٹھیک ہے... ناصر تین!“

”لیس سر! وہ ایک آواز میں بولے... لیکن اب
آوازیں الگ الگ تھیں۔“

”تم اور تمہارے ماتحت اس جنگ کے مزے لو
... ان دونوں کو ختم کرنے کے بعد ان کے باقی ساتھیوں کو ختم
کرنا ذرا بھی مشکل ثابت نہیں ہوگا۔“

”یہ ٹھیک رہے گا“ کئی آوازیں ابھریں۔
”تب پھر ہم بھی یہی کہتے ہیں۔“ محمود کی آواز سنائی
دی۔

”کیا کہتے ہیں۔“ ناصر تین بولے۔
”یہی کہ پہلے بڑے حضرات لڑیں... چھوٹوں کا کیا
ہے... ہم تو آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے ہیں۔“ محمود نے
جواب دیا۔

”حد ہو گئی... یہ بات ضرور ہی بتانی تھی۔“ فاروق
نے تھملا کر کہا۔

”یار چپ رہو... دیکھتے نہیں... خونی مقابلہ شروع
ہو رہا ہے۔“ خان رحمان بھٹا اٹھے۔

”خ... خونی مقابلہ... یہ... تو کسی ناول کا نام ہو
سکتا ہے۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”تو بہ ہے تم سے... یا تم کوئی مصنف کیوں نہیں بن
جائے۔“ محمود نے منہ بنایا۔

”دیکھا فرزانہ۔“ مجھے بھوکا مارنے پر حلا ہے۔“
”دیکھا نہیں... سنا ہے۔“ فرزانہ نے ہانک لگائی۔

عین اسی وقت پروفیسر ڈان نے ہاتھ میں پکڑی کوئی چیز
الیکٹرونک جمشید کے سر پر دے ماری۔ وہ اگرچہ پوری طرح خبردار
تھے، لیکن ان سے اس لمحے چوک ہو گئی... پھر ان کے سر پر تو نہ
لگا لیکن کندھے پر پوری قوت سے لگا۔ وہ پہلے تو لڑکھڑائے پھر گر
پڑے گئے:

”ہا ہا ہا... وہ مارا... ایک تو گیا... ناصر تین کیا تم
میری مہارت کی داد نہیں دو گے... ثابت ہوا یا نہیں کہ میں آ
کھوں کی طاقت کے بجائے ہاتھوں کی طاقت سے بھی کام لے
سکتا ہوں۔“

”اس میں شک نہیں سر۔“

ادھر ان سب پر سکنا طاری ہو گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں
سکتے تھے کہ وہ اس قدر اچانک انسپکٹر جمشید کو نشانہ بنائے گا۔۔۔
انہوں نے بوکھلا کر انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا۔۔۔ ان
کے چہرے پر انہیں اطمینان ہی اطمینان نظر آیا۔۔۔ انہوں نے کہا:
”گھبرانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ پتھر پھینک کر پروفیسر
ڈان نے اپنی عیاری اور مہارت ظاہر کر دی۔۔۔ اب ہم پوری
طرح چوکس ہیں۔۔۔ ویسے محمود تم ذرا اپنے والد کی خبر لو۔۔۔ وہ
ہوش میں تو ہیں۔“

”میری فکر نہ کریں۔۔۔ پروفیسر ڈان پر توجہ دیں۔۔۔ یہ
انتہائی خطرناک ہے۔۔۔ یہ بات نہیں کہ میں نے اس کے پیچھے ہو
ئے پھر سے بچنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔ کی تھی، لیکن میں بچ نہیں سکا
۔۔۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔“ انسپکٹر جمشید کی کمزور آواز
نے انہیں ڈھارس دی۔۔۔ اگرچہ آخری الفاظ کہتے ہوئے ان کی
آواز بالکل ہی ڈوب گئی۔۔۔

”ابا جان۔“ وہ چلائے۔

”مم۔۔۔ میں نے کہا نا۔۔۔ پروفیسر ڈان کو دیکھو۔۔۔“

انہوں نے بہت ہی مدہم آواز میں کہا۔۔۔ ان کے دل بیٹھنے لگے
۔۔۔ کوشش کے باوجود وہ خود کو سنبھال نہ سکے۔۔۔ ادھر انہوں
نے گویا پروفیسر ڈان کو اڑ کر انسپکٹر کامران مرزا کی طرف آتے
دیکھا۔۔۔ اور پھر وہ دھک سے رہ گئے۔۔۔ جونہی وہ انسپکٹر
کامران مرزا سے کرایا۔۔۔ وہ چاروں خانے چت گرے اور پھر
اٹھ نہ سکے۔

”ہا ہا ہا۔۔۔ تم نے دیکھا۔۔۔ میں نے کس قدر آسانی
سے ان کے دو بڑوں کو ڈھیر کر دیا اور یہ دونوں ان سب میں
سب سے ماہر ہیں۔۔۔ باقی تو میرے سامنے جھاگ ثابت ہو گئے
۔۔۔ لو میں ان پر آ رہا ہوں۔۔۔ تم سب بس مزے لو۔“

وہ بجلی کی طرح حرکت میں آیا۔۔۔ انہوں نے ہینٹر سے
بدلے، اس پر حملہ کرنے کے لیے اور اس سے لڑنے کے لیے تیار
ہو گئے۔۔۔ لیکن انہیں پتا ہی نہ چلا کہ کب کس طرح وہ ان پر ٹوٹا
۔۔۔ بس وہ ریت کی دیوار کی طرح گرتے چلے گئے۔۔۔ جلد ہی
اس نے ہاتھ جھاڑے اور خوفناک لہجے میں بولا:

”لو دیکھ لو۔۔۔ میں نے ان سب کو لٹا دیا۔“

ابھی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ اس کے سر

پر ایک پتھر پوری قوت سے لگا۔ وہ تورا کر گرا اور سکت ہو گیا۔
... اب دھک سے رہ جانے کی باری ناصر تین اور اس کے
ساتھیوں کی تھی... الپکڑ جمید نے انھیں اس کا موقع بھی نہ دیا
... پتھر مارتے چلے گئے... جلد ہی ان کی آواز ابھری:

”پروفیسر ڈان یہ تھا تمہارے پتھر کا جواب
... تمہارے سر پر میں نے وہی پتھر مارا ہے... جو تم نے مجھے
مارا تھا... تم دھوکا کھا گئے... پتھر مجھے لگا ضرور تھا... لیکن
ضرب اتنی شدید نہیں تھی کہ میں حرکت ہی نہ کر سکتا... اپنی آواز کو
میں نے جان بوجھ کر مردہ بنا لیا تھا۔ اب تم اپنا انجام دیکھو۔“
انہوں نے ان سب کو ہانچ لیا۔

☆☆☆☆☆

پھر ان کی واپسی شہر کی طرف شروع ہوئی۔ وہ شہر میں
داخل ہوئے تو میڈیا اور پولیس ہی نہیں... شہر کے لوگ بھی ان
کے استقبال کے لیے آئے تھے... وہ اگرچہ سب کے سب زخمی
تھے... لیکن استقبال کے لیے آئے ہوئے اس قدر لوگوں کو دیکھ
کر ہلکلائے بغیر نہ رہ سکے:

”یہ... ہم نے ایسا کیا کر دیا بھائیو کہ آپ لوگ اتنی

نقداد میں آ گئے۔“ قاروق نے گہرائی ہوئی آواز میں کہا۔
اور سب لوگ ہنسنے لگے... پھر اخباری اور نیوز چینلز کی
دنیا نے انہیں اپنے گھرے میں لے لیا۔ ٹی وی نیوز چینل پر ان کی
کامیاب واپسی اور شاندار کارنامے کے حوالے سے ریلنگ
نیوز نشر ہونا شروع ہو گئیں۔ اپنے اپنے گھروں تک پہنچنے میں
انہیں کئی گھنٹے لگ گئے۔ جب وہ وزارت داخلہ کی ہلٹ پروف
گاڑی میں اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھے تو سوائے
قاروق کے سب اونگھ رہے تھے... کیونکہ وہ تو گاڑی میں بیٹھے
ہی سو گیا تھا... اور اس کے بلند و بانگ خراٹے باقی سب کو سونے
سے باز رکھے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆